پاکستان میں کیا ہوگا؟

خطبات

امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

مرتب: سید محمد کفیل بخاری

پاکستان میں کیا ہوگا؟

پاکستان میں کیا ہوگا؟

پاکستان میں کیا ہوگا؟

خطبات

خطیب الامت، بطل حریت، امیر شریعت
سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ

مرتب
سید محمد کفیل بخاری

بخاری اکیڈمی
دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی، ملتان 061-4511961,0300-8020384

ضابطہ

کتاب: پاکستان میں کیا ہوگا؟

مرتب: سید محمد کفیل بخاری

تزئین: محمد الیاس میراں پوری

اشاعت اوّل: اگست ۲۰۰۹ء (تعداد: دو ہزار)

اشاعت دوم: اگست ۲۰۱۰ء (تعداد: دو ہزار)

اشاعت سوم: اگست ۲۰۱۱ء (تعداد: دو ہزار)

قیمت:

ناشر: بخاری اکیڈمی، دارِبنی ہاشم، مہربان کالونی، ملتان

مظلوم اور فریب خوردہ مسلمانوں
کے نام

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
نے ابلۂ مسجد ہوں، نہ تہذیب کا فرزند
(اقبالؒ)

فہرست

قیامِ پاکستان کے بعد:

میرا نسب نامۂ حریت

میں ان سوروں کا ریوڑ بھی چرانے کو تیار ہوں جو برٹش امپریلزم کی کھیتی کو ویران کرنا چاہیں، میں کچھ نہیں چاہتا، ایک فقیر ہوں، اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر مرمٹنا چاہتا ہوں اور کچھ چاہتا ہوں تو صرف اس ملک سے انگریز کا انخلاء۔ دو ہی خواہشیں ہیں۔ میری زندگی میں یہ ملک آزاد ہو جائے یا پھر میں تختۂ دار پر لٹکا دیا جاؤں۔

میں ان علمائے حق کا پرچم لیے پھرتا ہوں جو ۱۸۵۷ء میں فرنگیوں کی تیغ بے نیام کا شکار ہوئے تھے۔ ربِ ذوالجلال کی قسم مجھے اس کی کچھ پروا نہیں کہ لوگ میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں...... لوگوں نے پہلے ہی کب کسی سرفروش کے بارے میں راست بازی سے سوچا ہے۔ وہ شروع سے تماشائی ہیں اور تماشا دیکھنے کے عادی۔ میں اس سرزمین پر مجدد الف ثانیؒ کا سپاہی ہوں، شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خاندان کا متبع ہوں۔ سید احمد شہیدؒ کی غیرت کا نام لیوا اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کی جرأت کا پانی دیوا ہوں۔ میں اُن پانچ مقدمہ ہائے سازش کے پابہ زنجیر صلحائے امت کے لشکر کا ایک خدمت گزار ہوں جنھیں حق کی پاداش میں عمر قید اور موت کی سزائیں دی گئیں۔ ہاں ہاں! میں انہی کی نشانی ہوں...... انہی کی صدائے بازگشت ہوں۔ میری رگوں میں خون نہیں آگ دوڑتی ہے۔ میں علی الاعلان کہتا ہوں کہ میں محمد قاسم نانوتویؒ کا علم لے کر نکلا ہوں۔ میں نے شیخ الہند محمود حسنؒ کے نقش قدم پر چلنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ میں زندگی بھر اسی راہ پر چلتا رہا ہوں اور چلتا رہوں گا...... میرا اس کے سوا کوئی موقف نہیں۔ میرا ایک ہی نصب العین ہے اور وہ برطانوی سامراج کی لاش کو کفنانا یا دفنانا......

ہر شخص اپنا شجرۂ نسب ساتھ رکھتا ہے۔ میرا یہی شجرۂ نسب ہے۔ میں سر اونچا کر کے فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میں اس خاندان کا ایک فرد ہوں۔ (لاہور، ۲۳ر مارچ ۱۹۳۹ء)

(ہفت روزہ ''چٹان'' لاہور، سالنامہ جنوری ۱۹۶۲ء)

حرفِ اوّل

ہندوستان سے انگریزی راج کے مکمل خاتمے کے لیے کانگریس، مسلم لیگ، جمعیت علماء ہند اور مجلس احرار اسلام کے علاوہ کئی جماعتیں جدوجہد آزادی میں سرگرم تھیں۔ کانگریس بڑی سیاسی جماعت تھی لیکن اس میں شامل بعض متعصب ہندو لیڈروں کی پالیسیاں مسلم دشمنی پر مبنی تھیں۔ جس کے نتیجے میں مسلمانوں سے ناانصافی اور اُن کی حق تلفی ہوتی رہی۔ مسلم لیگ پر وڈیروں اور جاگیرداروں کا قبضہ تھا۔ لیگی رہنماؤں کی اکثریت انگریز کے خطاب یافتہ سروں اور خان بہادروں پر مشتمل تھی۔ مسلم لیگ، مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت کی دعوے دار تھی اور کسی بھی دوسری جماعت کو مسلم نمائندگی کا حق دینے کے لیے تیار نہ تھی۔ جمعیت علماء ہند حق گو علماء کی جماعت تھی اور مسلمانوں کے مذہبی طبقات کی نمائندگی کرتی تھی۔ سیاست میں کانگریس کی حلیف تھی۔ جمعیت علماء ہند نے بعض مواقع پر کانگریس سے اختلاف بھی کیا۔ لیکن یہ اختلاف واحتجاج صدا بہ صحرا ثابت ہوا۔ علماء نے جدوجہد آزادی میں بے پناہ قربانیاں دیں، قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں اور تحریکِ آزادی میں مسلمانوں کی رہنمائی کی۔

"مجلس احرار اسلام" متوسط طبقہ کی نمائندہ سیاسی جماعت تھی۔ اس میں علماء بھی تھے اور جدید تعلیم یافتہ حضرات بھی۔ سیاست کے ساتھ ساتھ احرار کی ایک دینی شناخت بھی تھی۔ انگریزی استعمار اور اس کے خود کاشتہ پودے قادیانیت کی بیخ کنی احرار کا نصب العین تھا۔

تحریک خلافت اختتام پذیر ہوئی تو پنجاب میں تحریک کے رہنما اکٹھے ہوئے۔ انھوں نے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کی قیادت میں ۲۹ر دسمبر ۱۹۲۹ء کو "مجلس احرار اسلام" کے نام سے ایک مستقل سیاسی جماعت کے قیام کا اعلان کیا۔ مولانا

حبیب الرحمٰن لدھیانوی، چودھری افضل حق، شیخ حسام الدین، غازی عبدالرحمٰن، مولانا سید محمد داؤد غزنوی اور مولانا مظہر علی اظہر مجلس احرار کے بانی رہنماؤں میں شمار ہوتے ہیں۔

حصولِ آزادی کی جدوجہد میں مجلس احرار اسلام کا شمار صفِ اوّل کی ایثار پیشہ جماعتوں میں ہوتا ہے۔ ہندوستان کی آزادی کے لیے کانگریس کی حلیف بھی رہی اور ایک درجن سے زیادہ تحریکیں چلائیں۔ احرار رہنماؤں اور کارکنوں نے طویل قیدیں کاٹیں اور آزادی کے لیے ہر صعوبت کو خندہ پیشانی سے قبول کیا۔

مجلس احرار اسلام، ہندوستان کی کامل آزادی، وفاق کے قیام، صوبائی خودمختاری اور آزادی کے بعد حکومت میں ہندو مسلم برابر نمائندگی کی علم بردار تھی۔ آزادی کی جنگ کامیابی کے آخری مراحل میں تھی کہ مسلم لیگ نے مارچ ۱۹۴۰ء میں لاہور میں قراردادِ پاکستان منظور کر کے ہندوستان کی سیاسی فضا میں زبردست ارتعاش پیدا کر دیا۔ دوقومی نظریہ کی بنیاد پر ہندوستان کو تقسیم کر کے مسلمانوں کے لیے "پاکستان" کے نام سے الگ ریاست کے قیام کا مطالبہ کر دیا۔ مجلس احرار اسلام اس مجوزہ تقسیم کے حق میں نہ تھی۔ مسلم اکثریتی علاقوں میں مسلمانوں کی حکومت اور صوبائی خودمختاری کے حق میں تھی۔ مسلم لیگ کے مطالبۂ پاکستان پر ہندوستان بھر میں بحث وگفتگو شروع ہوگئی۔ کانگریس اور جمعیت علماء ہند نے اپنا اپنا مؤقف قوم کے سامنے پیش کیا۔ جبکہ مجلس احرار اسلام نے جمعیت علماء ہند کے مؤقف کی معمولی تبدیلی کے ساتھ حمایت کی۔ نیشلسٹ جماعتوں کے مقابلے میں قوم کی اکثریت نے مسلم لیگ کے حق میں فیصلہ دے دیا اور پاکستان معرضِ وجود میں آگیا۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری سمیت مجلس احرار اسلام کے اکثر رہنما پاکستان میں قیام پذیر ہوئے۔ انھوں نے خلوصِ دل سے پاکستان کو تسلیم کیا اور اپنی تمام توانائیاں اور سرگرمیاں پاکستان کی سلامتی کے تحفظ کے لیے وقف کر دیں۔

افسوس یہ ہے کہ آج پاکستان بننے کے باسٹھ برس بعد بھی بعض لوگ مجلس احرار اسلام کے اکابر رحمہم اللہ کے خلاف زبان وقلم سے زہر اگل رہے ہیں اور ابھی تک اسی بحث

میں الجھے ہوئے ہیں کہ فلاں نے پاکستان کی مخالفت کی تھی اور فلاں نے حمایت۔ یہ بحث نہ تو نئی نسل کا موضوع ہے اور نہ ہی ضرورت، لیکن مفسدہ پرداز ہیں کہ بحث کیے چلے جا رہے ہیں۔ حالانکہ اس وقت پاکستان کو بچانے، مضبوط کرنے اور اس کی بقا کے لیے قوم کو متحد کر کے اپنی تمام صلاحیتیں صرف کرنے کی ضرورت ہے۔

احباب کا شدید تقاضا تھا کہ قیامِ پاکستان سے قبل اور بعد، مجلس احرار اسلام کا مؤقف بلا کم و کاست پیش کر دیا جائے تا کہ حق اور سچ نکھر کر سامنے آ جائے۔

بانیٔ احرار، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے قیامِ پاکستان سے قبل اور بعد اپنے سیکڑوں خطبات اور نجی مجالس میں بہت کچھ ارشاد فرمایا۔ ان کے خطبات اس وقت کے اخبارات و جرائد میں شائع ہوتے رہے۔ شاہ جی کے سوانح نگاروں، خان غازی کابلیؒ، شورش کاشمیریؒ، جانباز مرزاؒ اور دیگر تذکرہ نگاروں نے بھی اپنی اپنی تصانیف میں بہت کچھ نقل کیا۔ ہمارے کرم فرما محترم ڈاکٹر زاہد منیر عامر اس موضوع پر ایک مستقل کتاب ''سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور پاکستان'' کئی برس پہلے تصنیف کر چکے ہیں۔

شاہ جی کی شخصیت پر نواب زادہ نصر اللہ خانؒ کا ایک جامع مضمون کتاب میں شامل ہے جو اس اعتبار سے نہایت اہم ہے کہ نواب صاحب مرحوم تحریک آزادی میں شاہ جی کے رفیق اور قافلۂ احرار میں شامل تھے۔

اس عنوان پر مستند مآخذ سے مجھے جو کچھ میسر آیا، میں نے کوشش کی کہ اُسے بلا تبصرہ قارئین کی خدمت میں پیش کر دیا جائے تا کہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کے پروانۂ آزادی کے پس منظر اور پیش منظر کو سمجھنے اور درست رائے قائم کرنے میں نئی نسل کی صحیح رہنمائی ہو سکے۔

سید محمد کفیل بخاری

ڈپٹی سیکرٹری جنرل مجلس احرار اسلام پاکستان

دارِ بنی ہاشم، ملتان (۱۴ اگست ۲۰۰۹ء)

نوابزادہ نصر اللہ خان مرحوم
(سابق سیکرٹری جنرل مجلس احرار اسلام ہند)

امیر شریعت......ایک ہمہ گیر شخصیت

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ہمہ گیر اور پہلو دار شخصیت کے مالک تھے۔ وہ بیک وقت عالم دین، شعلہ بیان خطیب اور برعظیم میں جدوجہد آزادی کے صفِ اول کے رہنما تھے۔ انھوں نے تحریک آزادی کے ساتھ ساتھ بالعموم پورے ہندوستان اور بالخصوص پنجاب، سندھ اور سابق ریاست بہاول پور کے علاقوں میں مسلمانوں میں فرسودہ رسوم ورواج اور توہم پرستی کے خلاف مسلسل جدوجہد کی۔ ان علاقوں میں اس جاگیردار طبقہ کی بڑی شدت سے مخالفت کی جس نے برطانوی سامراج کے پاؤں مضبوط کیے۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پنجاب، سندھ، صوبہ سرحد میں برطانوی حکمرانوں کے خلاف رائے عامہ کو بیدار کرنے اور اس سے ٹکرانے کا جذبہ پیدا کرنے میں امیر شریعت کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اسی طرح شاہ جی نے مسئلہ ختم نبوت کی اہمیت اور نزاکت سے ملتِ اسلامیہ اور خاص طور پر جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو روشناس کرایا۔ فتنۂ قادیانیت کے ان مذموم مقاصد کو بے نقاب کیا جن کے حصول کے لیے اس خاص گروہ کو وجود میں لایا گیا تھا۔ شاہ جی نے مسئلہ ختم نبوت کے لیے جو کام کیا، یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اب ہر مسلمان اس مسئلہ کی اہمیت سے پوری طرح آگاہ ہو چکا ہے۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہندوستان کی آزادی کے لیے مسلمانوں نے جدوجہد کی اور جو عظیم قربانیاں دیں ان کو بوجوہ فراموش کیا گیا۔ یا ایک طبقہ نے ان کی اہمیت کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی لیکن مستقبل کا مؤرخ جب بھی تحریک آزادی پر قلم اٹھائے گا تو ان مسلم

زعماء اور مسلمان قوم کی قربانیوں کو یقیناً اجاگر کرے گا اور اُن کی بے لوث خدمات کو خراجِ تحسین ادا کیے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ کیونکہ اس کے بغیر برعظیم کی تحریکات آزادی کا تذکرہ ادھورا اور نامکمّل رہے گا۔ شاہ جی اور ان کے رفقاء نے برطانوی سامراج کو ملک سے باہر نکالنے میں جو کردار ادا کیا وہ تاریخی حیثیت کا حامل ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد، مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا محمد علی جوہر، سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور دوسرے اکابر برق بن کر برطانوی حکمرانوں کے نشیمنوں پر گرے۔ انھوں نے سامراج اور اس کے کاسہ لیس مسلمان جاگیرداروں اور سرمایہ پرستوں کے خلاف رائے عامہ کو بیدار اور منظم کیا۔ یہ اسی تحریک کا نتیجہ تھا کہ جلیانوالہ باغ اور قصہ خوانی بازار میں مسلمانوں نے ہندوؤں اور سکھوں سے کہیں زیادہ قربانیاں دیں۔ جامِ شہادت نوش کیا، تحریک آزادی کو بال و پر فراہم کیے اور اسے آگے بڑھایا۔ اس بارے میں دو رائے نہیں ہوسکتیں کہ اسلامیانِ پاک و ہند میں جذبۂ حریت پیدا کرنے میں سب سے نمایاں کردار علماء نے انجام دیا۔ بیسویں صدی کے شروع میں آزادی کی تحریکات میں مولانا محمود حسن، مولانا ابوالکلام آزاد اور ان کے رفقاء اور ان کے بعد حکیم اجمل خان، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، مولانا ظفر علی خان اور دوسرے زعماء نے ملتِ اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ اور ان کے کردار کی تعمیر و تشکیل میں بیش از بیش حصہ لیا۔

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری سب سے بڑے خطیب، مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ میں بے حد مقبول اور ہر دل عزیز مسلمان رہنما تھے۔ لیکن ان میں غرور اور تفاخر کا کوئی جذبہ نہیں تھا۔ ان کی زندگی انتہائی سادہ اور درویشانہ تھی۔ وہ اپنے کارکنوں سے بے حد محبّت و شفقت کرتے تھے۔ انھوں نے اپنے رفقاء کو بلاتمیز امیر و غریب قومی زندگی میں نمایاں کرنے اور آگے لانے کی ہمیشہ سعی کی اور ان کی ہر ممکن حوصلہ افزائی کی۔ یہی وجہ تھی کہ مجلس احرار اسلام نے سینکڑوں مقرر اور ہزاروں بے لوث، بے غرض اور جری کارکن پیدا کیے۔ جس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ تقسیم ملک سے قبل نئی قیادت کا اتنا فقدان محسوس نہیں کیا گیا

جتنا کہ اب محسوس ہوتا ہے۔ اگر قیامِ پاکستان کے بعد برسرِ اقتدار جماعتیں اپنے مخالفین کو سبّ وشتم کا نشانہ نہ بناتیں اور سیاست کے میدان میں قدم رکھنے والوں سے بدتر سلوک نہ کرتیں تو آج صورتحال بہت مختلف ہوتی۔ اور نئی قیادت کے ابھرنے کے دروازے یوں بند نہ ہوتے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری برسرِ اقتدار طبقہ کے رعب ودبدبہ اور سرمایہ دارانہ اثر سے ہمیشہ بے نیاز رہے۔ انھوں نے مدت العمر کسی انگریز حکمران سے ملنے یا اس کا قرب حاصل کرنے کی ذرہ بھر کوشش نہ کی۔ ان سے ملنے والے ان کے ایثار، استغنا اور بے لوثی کی شہادت دے سکتے ہیں۔

خلافتِ عثمانیہ جو اس وقت ایک حد تک اسلامیانِ عالم کا مرکزِ عقیدت تھی، کے خلاف انگریز نے سازشیں شروع کیں۔ اس کے نتیجہ میں جنگ، بلقان، جنگ طرابلس اور پہلی جنگِ عظیم میں کرنل لارنس نے عرب شیوخ کو ترکوں کے خلاف اپنے استعماری مفاد کے لیے استعمال کیا۔ اور ہندوستان میں بھی اس نے ساڑھے نو سو سالہ مسلمان سلطنت کے باقی ماندہ آثار کو جس طرح ختم کیا۔ شاہ جی اس سے بے حد آزردہ دل تھے۔ انگریز کے ان اسلام دشمن اقدامات نے شاہ جی کے دل میں زبردست آگ لگا دی تھی۔ ان کی انگریز سے نفرت کا یہ عالم تھا کہ وہ ان کا وجود تو ایک طرف رہا، نام تک برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ یہ وہ دور تھا جب ریاستوں کے مسلمان حکمران اور بالخصوص پنجاب میں مسلمان وزراء اور رؤساء انگریزوں کا فرزندِ دل بند کہلوانا اپنے لیے فخر وسعادت کا باعث سمجھتے تھے۔ ایسے ماحول میں مسلم عوام کو انگریزوں اور اُن کے کاسہ لیس رؤساء کے اثرات سے آزاد کر کے انھیں حریت کے راستے پر گامزن کرنے میں شاہ جی کا بہت بڑا حصہ ہے۔

شاہ جی نے انگریز کے خلاف اس وقت علمِ بغاوت بلند کیا جب پنجاب میں

جاگیرداراور انگریز کے ٹوڈی حاکم تھے۔ سرسکندر حیات پنجاب کا وزیر اعظم تھا۔ پنجاب میں اس کی مرضی کے بغیر کوئی بھی حرکت نہیں کرسکتا تھا مگر شاہ جی کی مومنانہ للکار نے سکندر حیات کے اقتدار کو ہلا کر رکھ دیا۔

انھوں نے پنجاب کے غریب عوام کے ذہنوں میں انگریز سامراج کے خلاف بغاوت کوٹ کوٹ کر بھردی۔

مجھے اپنے ماضی پر فخر ہے۔ میں سر بلند کر کے کہہ سکتا ہوں کہ مجھے اِن باکردار، جرأت مند اور مخلص اکابر کی معیت میں جہادِ آزادی میں حصہ لینے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔

شاہ جی کی جماعت مجلس احرار سلام ہندوستان کے غریب اور متوسط طبقہ کے کارکنوں پر مشتمل تھی۔ اس کی روز افزوں ترقی سے انگریز اور اُس کے ٹوڈی خائف تھے۔ عوام میں احرار کی جڑیں بہت مضبوط ہوگئی تھیں۔ چنانچہ ایک سازش کے تحت ۱۹۳۵ء میں مسجد شہید گنج کا مسئلہ کھڑا کیا گیا اور اس تحریک کا تمام ملبہ مجلس احرار پر گرادیا گیا۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اگر احرار پر شہید گنج کا ملبہ نہ گرایا جاتا تو پنجاب کی سب سے زیادہ مقبول ترین عوامی سیاسی جماعت مجلس احرار اسلام انتخابات میں بھاری اکثریت کے ساتھ کامیاب ہوتی۔ مگر سر فضل حسین اور دوسرے ٹوڈیوں نے سازش کر کے احرار کو شکست دلوادی۔ ورنہ احرار کی کامیابی کی صورت میں پنجاب میں پہلی مرتبہ متوسط اور غریب طبقہ کی حکومت قائم ہو جاتی اور یہاں جاگیرداروں سے ہمیشہ کے لیے نجات مل جاتی...... مگر اس سب کچھ کے باوجود شاہ جی نے انگریز اور اُس کے ٹوڈیوں کے خلاف جہاد جاری رکھا۔

اس سلسلہ میں شاہ جی کو بار بار جیل جانا پڑا۔ سالہا سال تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ مگر ان کے پائے استقلال میں لحظہ بھر کے لیے بھی لغزش نہ آنے پائی۔

بلکہ جب بھی وہ جیل سے رہا ہوتے تو زیادہ شدت سے انگریز کی مخالفت کرنے لگتے۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ شاہ جی نے پہلی مرتبہ قومی سیاست میں متوسط اور نچلے طبقے کو مسلمانوں کی قیادت سے بہرہ ور کیا۔ اس قیادت نے ایثار اور بے لوثی کی جو مثالیں قائم کیں وہ آج بھی ہماری مختلف تنظیموں کے لیے مشعل راہ کا کام دے سکتی ہیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد جب شاہ جی نے پاکستان میں سکونت پذیر ہونے کا فیصلہ کیا تو وہ اپنے بچوں سمیت انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں یہاں پہنچے۔ چند ماہ دفتر احرار لاہور میں قیام فرمایا۔ پھر میری درخواست پر خان گڑھ تشریف لے آئے۔ تقریباً ایک سال یہاں قیام فرمایا۔ یہ اُن کی حسنِ عطاء اور میرے لیے بہت بڑی سعادت تھی:

آپ آگئے تو رونق کاشانہ ہوگئی

خان گڑھ میں سیلاب آگیا تو وہ دوستوں کے اصرار پر ملتان تشریف لے گئے اور کرائے کے مکان میں زندگی گزار دی۔ انھوں نے اپنی جائیداد کے عوض نہ کسی جائیداد کی خواہش کی اور نہ ہی ان کے فقر و استغنا نے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا گوارا کیا۔ وہ غیرت وحمیت کا پیکر تھے۔ انھیں امرتسر میں واقع اپنے مکان کے ضائع ہونے کا کوئی غم نہ تھا۔ البتہ اس بات کا انھیں ہمیشہ صدمہ رہا کہ امرتسر میں فسادات کے دوران ان کی لائبریری ضائع ہوگئی۔ وہ اکثر اپنی کتب کو یاد کیا کرتے کیونکہ اہل علم کا حقیقی سرمایہ کتب ہی ہوا کرتی ہیں۔

شاہ جی، ایک عہد، ایک تاریخ بلکہ عہد ساز اور تاریخ ساز شخصیت تھے۔ جدو جہد آزادی میں انھوں نے قوم کی صحیح رہنمائی کی۔ تاریخ اُن کے خلوص و ایثار کو کبھی فراموش نہیں کرے گی۔ شاہ جی، ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

بخاری صاحب کی اخلاقی جرأت

نیشنلسٹ علماء نے تحریک پاکستان کی مخالفت کی۔ بخاری صاحب (سید عطاء اللہ شاہ بخاری) نے بھی کی۔ مجلس احرار، کانگریس کی حمایتی تھی لیکن بخاری صاحب میں اتنی اخلاقی جرأت تھی کہ قیامِ پاکستان کے بعد انھوں نے موچی دروازے میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:

"بھئی ہم نے پاکستان کی مخالفت کی اب یہ بن گیا ہے، یہ مسلمانوں کا ملک ہے۔ اب ہم اس کا ساتھ دیں گے۔"

مجید نظامی

چیف ایڈیٹر "نوائے وقت"

بحوالہ "برصغیر کیسے ٹوٹا" مصنف: عارف میاں، صفحہ ۱۴، اشاعت اوّل، اگست ۲۰۰۹ء

ناشر: براڈ لے انسٹی ٹیوٹ فار ریسرچ اینڈ پبلی کیشنز، ٹمپل روڈ لاہور

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

حفیظ جالندھریؒ

برطانوی سیاست وثقافت کے خلاف ہم سب مسلمانوں کو جھنجھوڑ کر بیدار کرنے والے بے مثال خطیب اور مجاہد سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی آواز ہر آن میرے ایمان میں شامل ہے۔

پرانے لشکرِ اسلام کے بچھڑے ہوئے غازی
ترے دم سے ہے قائم سرفروشی اور سربازی
تیری صورت سے مردانِ خدا کی یاد تازہ ہے
غلامانِ محمد مصطفیٰ ﷺ کی یاد تازہ ہے
تیری سیرت سے عابد اور زاہد یاد آتے ہیں
بصیرت سے مدبّر اور مجاہد یاد آتے ہیں
وہ شعلہ جس سے داغِ عشق کی گرمی ہویدا ہے
تیری صورت سے ظاہر ہے تیری سیرت سے پیدا ہے
صداقت ڈھونڈتا ہوں جب فداکاری کی راہوں میں
تری تصویر پھرتی ہے تصور کی نگاہوں میں
مرے دل میں یہ شمعِ قوم کا پروانہ زندہ ہے
حسینؓ ابن علیؓ کا اسوۂ مردانہ زندہ ہے

(''چراغِ سحر'' صفحہ ۱۹۲)

بانئ پاکستان کا حلف نامہ

۱۴/اگست ۱۹۴۷ء کو ہمیں انگریز سے آزادی مملکت پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔

۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کو بانی پاکستان محمد علی جناح نے پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کی حیثیت سے حلف اٹھایا، سر عبدالرشید، چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ نے ان سے یہ حلف لیا۔

پاکستان کی آزادی اور خود مختاری درج ذیل حلف نامے کے تناظر میں باسٹھ سال بعد بھی تاریخ میں سوالیہ نشان ہے۔ تاریخ بڑی تیزی سے اپنا سفر مکمل کر رہی ہے اور اس سوال کا جواب مستقبل کا مؤرخ ہی دے گا۔

حلف کے الفاظ یہ ہیں:

''میں محمد علی جناح، قانون کے مطابق قائم ہونے والے پاکستان کے دستور حکومت سے سچی عقیدت اور وفاداری کا عہدِ مصمم کرتا ہوں۔

اور عہد کرتا ہوں کہ میں پاکستان کے گورنر جنرل کی حیثیت سے شہنشاہِ معظم جارج ششم اور ان کے ولی عہدوں اور جانشینوں کا وفادار رہوں گا۔''

(''پاکستان کے سربراہانِ مملکت'' محمد اسلم لودھی، صفحہ ۸۰، طبع اول ۲۰۰۴ء، اردو سائنس بورڈ، لاہور)

عکسِ تحریر

مخلوق میں جب تک خالق کا نظام نہیں ملایا جائے گا

دنیا میں امن نہ ہو گا۔

۲۸ دسمبر ۴۵ء

بمبئی دفتر ہلال نو

قیامِ پاکستان سے پہلے

آزادی اور غلامی

''میں چاہتا ہوں کہ مسلمان نوجوان ہندوستان کی آزادی کا ہراول دستہ ثابت ہوں۔ آزادی کے حصول کا فخر ہمارے حصے میں آئے۔''

(۲۹؍دسمبر ۱۹۲۹ء، لاہور)

(مجلس احرار اسلام کے تاسیسی اجلاس سے خطاب)

(''تاریخِ احرار''، چودھری افضل حق، صفحہ ۷۱)

غلامی سب سے بڑا گناہ ہے

اگر اس گناہ سے نکلنا ہے تو اس سے بہتر کوئی موقع نہیں کہ

ہم انگریزوں کے خلاف پُر امن لڑائی میں شامل ہو جائیں۔

(جلسۂ عام سے خطاب، ممبئی ۱۹۳۰ء)

(''حیاتِ امیرِ شریعت''، جانباز مرزا، صفحہ ۱۴۲)

اسلام اور مسلمانوں کا دشمن

''میں ہندو کو اپنا دوست نہیں سمجھتا، جس کی دشمنی ساحل سمندر تک محدود ہے جب کہ انگریز تو سمندر پار تک اسلام کا تعاقب کر رہا ہے۔ اگر میں اپنے چھوٹے دشمن (ہندو) کے ساتھ مل کر اسلام کے بڑے دشمن (انگریز) کو شکست دے سکوں تو یہ سودا مہنگا نہیں ہے۔ میرا بس چلے تو میں انگریز کو مارنے کے لیے سؤروں سے اتحاد کرنے میں بھی گریز نہ کروں کیونکہ اُس کی زندگی سے اسلامی تہذیب وتمدن اور انسانیت کی موت واقع ہو جائے گی اور اُس کی موت سے اسلام اور مسلمان زندہ ہو جائیں گے۔ اسلامی ممالک میں اتحاد بڑھے گا اور مسلمانوں میں روحِ جہاد جاگ اٹھے گی۔''

(اقتباسِ خطاب: اجلاس جمعیت علماء ہند امروہہ، ۳ر مئی ۱۹۳۰ء)

(''حیاتِ بخاری''، غازی کابلی ص ۵۲، ۵۳)

(احرار اور کانگریس، محمد رفیق اختر، ص ۶۰)

انگریزی اقتدار کی عمر

میں مسلم لیگ والوں سے پورے ہندوستان میں کہہ رہا ہوں کہ سفید چمڑی والے آقا کے اشارے پر ناچ ناچ کر ہمیں مسئلہ شہید گنج میں مطعون کرنا چھوڑ دو۔ جس نے تمھیں تحریکِ شہید گنج میں ہمارے جرائم کی فہرست دی ہے پہلے اُس مخبر کاذب کی تفتیش تو کرلو کہ اُس کا حدودِ اربعہ کیا ہے پھر ہماری نیکی و بدی اور گناہ وثواب پر بحث کر لینا۔ تم سادہ لوح مسلمانوں کو جھوٹے پروپیگنڈے کے ذریعے ہمارے خلاف بھڑکاتے ہو اور قوم کو ہم سے بدگمان کرنے کی کوشش میں مصروف ہو۔

یاد رکھو!

زیادہ عرصہ نہ گزرنے پائے گا کہ جب تمھارے سامنے تمھارے جھوٹ کی دبیز تہیں چاک چاک ہوں گی۔ پھر تمھیں اپنی حالتِ زار کا احساس ہوگا۔

فَسَوْفَ تَرىٰ اِذَا انْكَشَفَ الْغُبَارُ

أَفَرَسٌ تَحْتَ رِجْلِكَ اَمْ حِمَارٌ

”غبار چھٹ جانے دو پھر خود ہی دیکھ لوگے کہ تم جس پر سوار ہو وہ گھوڑا ہے یا گدھا“

آج چند کھوٹے سکوں کی ظاہری چمک سے تمھاری آنکھیں چندھیا گئی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ تمھارا ضمیر اس جھوٹ پر تمھیں ملامت کرتا ہے۔ اے کاش! تم اپنے ضمیر کی آواز سنو۔

انگریز اس ملک میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ اس کے اقتدار کا ٹاٹ ہم نے لپیٹ دینا ہے۔ تم نے اور ہم نے بہر حال یہیں رہنا ہے۔ اُس وقت تمھاری کیا حالت ہوگی، جب انگریز چلا جائے گا اور ہر قومی وملی مسئلہ پر تمھارا ہمارا آمنا سامنا ہوگا۔ اب تو تم انگریز اور اُس کی ”ذُرِّيَّتُ الْبُغَايَا“ مرزائیوں کی ہم رکابی میں ہمارے خلاف جارحانہ کارروائیوں میں مصروف ہو، لیکن یہ بھی یاد رکھو کہ تمھارے اس آقا کے اقتدار کی عمر بہت کم ہے۔

(پریڈ گراؤنڈ، کانپور۔ ۲۳/ اگست ۱۹۳۵ء)

قرآن یا انڈیا ایکٹ

مسلم لیگ کے ایک رہنما نے مجھ سے سوال کیا کہ:

کیا آپ نے انڈیا ایکٹ پڑھا ہے؟

میں نے کہا:

میں نے انڈیا ایکٹ نہیں پڑھا، آپ نے قرآن نہیں پڑھا

فیصلہ اللہ تعالیٰ کے روبرو ہوگا کہ

کون سی کتاب پڑھنی لازمی اور ضروری تھی

(دہلی دروازہ لاہور میں جلسہ سے خطاب، ۳۰/مارچ ۱۹۳۸ء)

(روزنامہ ''احسان'' لاہور، یکم اپریل ۱۹۳۸ء)

(''حیاتِ بخاری''، خان غازی کابلی، صفحہ ۱۳۵)

حصولِ آزادی

”آزادی ایک نعمت ہے۔اس کو حاصل کرنا ہر مسلمان کا اخلاقی فرض ہے۔میں مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ طوقِ غلامی اتار پھینکیں۔دنیا کی دوسری اقوام ترقی کر رہی ہیں اور نہایت تیزی کے ساتھ آزادی کی منزل پر پہنچ رہی ہیں۔مسلمانوں کو کسی صورت بھی پیچھے نہیں رہنا چاہیے۔

مسلمانو! وطن کی آزادی کے لیے میدانِ عمل میں اترو اور سب سے پہلی صف میں جمع ہو جاؤ۔“

(ڈسٹرکٹ احرار پولیٹیکل کانفرنس، دہلی دروازہ لاہور، ۱۳ر مارچ ۱۹۳۹ء)

(”حیاتِ بخاری“، خان غازی کابلی، ص ۱۳۸)

جدو جہدِ آزادی

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ برعظیم کی آزادی کے سوال پر خطاب کرتے تو اُن کے لب ولہجہ کا اتار چڑھاؤ اور جلال و جمال مسحور کن ہوتا۔ اُسی زمانہ (غالباً ۱۹۳۹ء دہلی) میں ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''وہ زمانہ آ گیا ہے جس کا انتظار تھا۔ نگاہ اٹھاؤ اور دیکھو کہ جنگِ عظیم گھنگھور گھٹاؤں کی طرح سروں پر منڈلا رہی ہے۔ نہ جانے کب جل تھل ہو۔ غیب کا علم تو اللہ کو ہے، وہی علّام الغیوب ہے لیکن مشیّتِ ایزدی نے ظالموں کا یومِ حساب قریب کر دیا ہے۔ جنگ ہوگی، ضرور ہوگی۔ یورپ کے میدانوں میں ہوگی اور اپنی ہولناک بربادیوں کے ساتھ پھیل جائے گی۔ جو چیز پردۂ غیب میں ہو اُس کے بارے میں حکم نہیں لگایا جا سکتا اور نہ کوئی پیش گوئی کی جا سکتی ہے۔ علیم و خبیر ذاتِ الٰہی ہے۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جنگ کیا لائے گی اور کیا چھوڑ جائے گی۔ جن لوگوں نے پہلی جنگِ عظیم میں فتح حاصل کی اور اس کے بعد متمرد ہو گئے، پھر نسل انسانی کو تقسیم کیا اور ملکوں کی بندر بانٹ کی، انھیں معلوم ہو چکا ہے کہ وہ کہاں کھڑے ہیں؟ اور انھیں کہاں پہنچنا ہے؟ انھیں جنگ کے تھپیڑوں سے محسوس کرنا چاہیے کہ اس زمانہ میں کوئی سی قوم نہ تو غلام رکھی جا سکتی ہے اور نہ غلام رہ سکتی ہے۔ ہندوستان آزاد ہوگا اور آئندہ جنگ کے دوران آزاد ہوگا۔ جنگ اپنے انجام کو پہنچے گی

تو آزاد ہوگا۔اب اس کی آزادی موقوف و معطّل نہیں کی جا سکتی۔قدرت اپنے فیصلے انسانوں کی خاطر نہیں بدلا کرتی۔ہندوستان کی آزادی کا فیصلہ عرش کی رفعتوں پر ہو چکا ہے جو لوگ اب بھی اپنی پیشانیوں پر وفاداری کا قشقہ لگا کر اپنی محکومی کی عمر کو طول دینا چاہتے ہیں، انھیں اس تعبّد کا حق پہنچتا ہے۔اُن کا ضمیر آزادی کی لذت سے آشنا ہی نہیں۔اُن کے لیے ممکن ہے یہ فخر و ناز کی پونجی ہو اور وہ اسے توشۂ آخرت خیال کرتے ہوں لیکن اب جو سفینہ ڈوبنے والا ہے وہ ڈوب کے رہے گا' اُسے بچایا نہیں جا سکتا۔

میں نے اپنی عمر اس جدوجہد میں بتا دی ہے۔میں اب عمر کی اس منزل میں ہوں کہ تھک چکا ہوں۔میرے بالوں میں سفیدی آگئی ہے لیکن بعض دلوں کی سیاہی ابھی تک نہیں ڈھلی۔ اُن کے نزدیک ہم باغی ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ بغاوت کیا ہوتی ہے؟ کیا اپنی آزادی کا مطالبہ کرنا بغاوت ہے؟ اور جب یہ الفاظ وہ لوگ کہتے ہیں جنھیں اپنے ہندوستانی ہونے سے انکار نہیں اور مسلمان کہلاتے ہیں۔تو میرا دل کھول اٹھتا ہے، میرا دماغ دہکنے لگتا ہے اور میری زبان انگارے اگلنا چاہتی ہے۔میں سوچتا ہوں، یہی لوگ ہیں جو اپنے ہی ایمان کی جانکنی کا تماشا دیکھتے ہیں۔کس زبان سے کہوں کہ ان مادرزاد ناداروں نے برطانیہ کے عشق میں اپنی جانیں دے کر یا پھر حریت خواہوں کے سر اُتار کر قومی آبرو کو مجروح کیا اور حُریتِ ضمیر کے چہرے پر کالک ملی ہے۔اب وہی کالک اُن کے چہروں کو سیاہ کر چکی ہے اور آزادی کا چہرہ صبح کے سورج کی طرح دمک رہا ہے۔انھیں سلطنت کے فرزند ہونے پر ناز ہے' ہمت ہے تو تاریخ کی رفتار روک لیں۔تاریخ اس تیزی سے پلٹا کھا رہی ہے کہ انگریز کو ہندوستان خالی کرنا ہوگا اور ہم آزاد ہو کر رہیں گے۔مؤذن صبح کی اذان دے چکا ہے اور اب صبح کو ملتوی نہیں کیا جا سکتا۔

مؤذن مرحبا بروقت بولا
تری آواز مکّے اور مدینے

(جلسۂ عام سے خطاب، دہلی ۱۹۳۹ء/ ''فنِ خطابت''۔شورش کاشمیریؒ)

زمین سے پہلے دلوں پر اسلام کا نفاذ

”کسی زمین کو حاصل کرنے سے پیشتر اللہ کا نظام اپنے دلوں پر قائم کریں۔ فرنگی کی ڈیڑھ سو سالہ غلامی سے جو دل زنگ آلود ہو چکے ہیں، انھیں ایمان کی کسوٹی پر پرکھیں تا کہ کفر کے نظامِ حکومت کی جو آلائشیں اس پر جم چکی ہیں، وہ صاف ہو جائیں۔ آپ نے کوئی زمین حاصل کر بھی لی تو جو نظام آپ قائم کریں گے وہ انسانوں کا بنا ہوا ہوگا۔ جس کی ہر شق کفر کے آئین سے ماخوذ ہوگی۔“ (سہارن پور۔ مئی ۱۹۴۳ء)

(”حیاتِ امیر شریعت“، جانباز مرزا، صفحہ ۲۷۷)

انگریز اور اسلام

''تم یہاں اسلام کی بے بسی پر روتے ہو! فرنگی اس خطے پر اسلام نہیں دیکھنا چاہتا۔ یہاں صرف وہی کچھ باقی بچے گا جو انگریز چاہتا ہے۔ اور جو انگریز چاہتا ہے وہ لکھ لو۔ وہ اسلام کو اتنا سر بلند بھی نہیں دیکھنا چاہتا کہ تمہیں کفر برداشت نہ ہو۔ اور اسلام کو مٹانا بھی نہیں چاہتا کہ تمہیں اسلام کے نام پر لڑایا نہ جا سکے...... لعنت بر پدر فرنگ

(جالندھر، ۱۹۴۳ء)

(روایت: حکیم حافظ محمد حنیف اللہ رحمۃ اللہ علیہ)

مسٹر جناح سے لڑائی سیاسی ہے، ذاتی نہیں

پاکستان کی تھیوری میرے بار بار سوچنے پر بھی سمجھ میں نہیں آئی۔ میں جس قدر اس پر سوچتا ہوں اسی قدر کھو جاتا ہوں۔ مسٹر جناح! آپ کہتے ہیں کہ

''مسلمان قوم اور خود ہندوستان کی نجات بھی اسی میں ہے۔''

اس سلسلے میں میرے چند خدشات ہیں۔ اُنھیں دور کر دیں، پاکستان کا اُور چھور بتا دیں اور سمجھا دیں تو پھر آپ آرام سے بمبئی بیٹھ جائیں۔ میں عوام کے ہر محاذ پر جاؤں گا اور آپ کی ساری لڑائی خود لڑوں گا۔ آپ کے ایک ادنیٰ سپاہی کی حیثیت سے حصولِ پاکستان کے لیے ہندو اور انگریز دونوں سے نمٹ لوں گا۔ لیکن مسٹر جناح! کسی کی بات سننے کے لیے تیار ہیں اور نہ کسی سے بات کرنے کو، وہ صرف بیعت چاہتے ہیں۔

دیکھیے مسٹر جناح! یہ دس کروڑ مسلمان قوم کے مذہب اور اس کے مستقبل کا سوال ہے۔ یہ دس کروڑ عرب سے نہیں آئے بلکہ اسی کفر گڑھ سے خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت علی ہجویریؒ، حضرت نظام الدین اولیاءؒ، حضرت پیران کلیر جیسے ولی، قطب، ابدال اور شب زندہ دار لوگوں نے اپنی ریاضت و عبادت سے راجپوتانہ ایسے کفر گڑھ میں بیٹھ کر انھیں مسلمان کیا تھا۔ اگر ہندو اور انگریز کی ملی بھگت سے ان دس کروڑ مسلمانوں کو کسی طرح کا نقصان پہنچا تو اس کی ذمہ داری آپ پر ہوگی۔

میں نے اپنی عمر کا ایک تہائی حصہ فرنگی سے لڑ کر اس کے جیل خانوں میں گزارا ہے، مگر جو بات ایک دفعہ سمجھ میں آ گئی ہے پھر اس سے منہ نہیں موڑا۔ اور انگریز جیسی جابر سلطنت کے سامنے کھڑے ہو کر وہی کچھ کہا جس سے میرا ضمیر مطمئن تھا۔

میں مسٹر جناح کا بے حد احترام کرتا ہوں۔ میری ان سے سیاسی لڑائی ہے ذاتی نہیں۔ لیکن بات سمجھے بغیر اُن کی ہاں میں ہاں ملانے پر تیار نہیں ہو سکتا۔ چاہے میری قوم میرے خلاف ہو جائے۔

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

(احرار کانفرنس دہلی میں خطاب۔ جون ۱۹۴۵ء)

(''حیاتِ امیر شریعت''، جانباز مرزا، صفحہ ۲۸۲، ۲۸۳)

(''سید عطاء اللہ شاہ بخاری۔ سوانح و افکار'' شورش کاشمیری، ص ۲۸۸، ۲۸۹)

حکومتِ الٰہیہ اور پاکستان

مجلس احرار اس عظیم سچائی کے اعتماد پر حکومتِ الٰہیہ کی آواز بلند کرتی ہے جس کا مقصد معاشرۂ انسانی میں قانون ربانی کا تصور ہے یعنی خالق کا نظام مخلوق کے لیے۔

میں نے بہت غور کیا لیکن مجھے ''الحمد'' سے ''والناس'' تک کہیں بھی یہ نہیں ملا کہ مسلمان غیر مسلم کی رعایا بن کر کیونکر زندگی بسر کریں۔ البتہ اسلامی حکومت میں غیر مسلم کے ساتھ طرزِ عمل کا ذکر ضرور ملتا ہے۔ افسوس ہے کہ ایک ایسی قوم جو کرۂ ارض کی حکومت کے لیے پیدا کی گئی ہے، آج سرابِ منزل میں گرفتار ہو کر سیدھی راہ سے بھٹک چکی ہے۔

مسلمان کی حکومت اور چیز ہے اور قرآن کی حکومت اور! ہمارا مطالبہ مسلمان کی حکومت کے مدعیوں سے قرآن کی حکومت کے قیام کا ہے تاکہ زندگی کا اضطراب باقی نہ رہے، یہ کیا غضب ہے؟ کہ کائناتِ ارض و سماء کی ہر جنس آئین قدرت کی فرمانبرداری میں مشغول ہے اور آپ معاشرتِ انسانی کی ترتیب کے لیے قانونِ الٰہی کی قرآنی صداؤں کو اپنے دماغ کی آئین سازی پر قربان کر رہے ہیں اور بزعمِ خویش یہ سمجھ لیا ہے کہ قرآن مجید محض عقائد کا مجموعہ ہے، اس میں اصولِ سلطنت کی کوئی دفعہ نہیں ہے۔

ہمیں اس کا خدشہ اور صدمہ نہیں کہ ہمارے ساتھ انسانوں کا اجتماع کس قدر حقیر ہے۔ ہمیں اس بات کا اطمینان ہے کہ ہماری زبانوں پر حق کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اصل چیز

حق ہے جو اقلیت میں رہ کر بھی حق ہی رہتا ہے اور باطل اکثریت کی ہم نوائی کے باوجود باطل ہی کہلاتا ہے۔

میں اپنے دوستوں سے کہوں گا کہ وہ ہمارے خلاف جھوٹ نہ پھیلائیں تاکہ ہمیں اُن کا سچ نہ کہنا پڑے۔ ہمارے ارادے صاف ہیں۔ ہم اپنی نہیں منوانا چاہتے، صرف یہ چاہتے ہیں کہ آمنہ کے لال صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مانو، اس پر چیں بہ جبیں کیوں ہوتے ہو، اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو، اس کے علاوہ اگر ہمیں کوئی اور خواہش ہے تو ہمیں اللہ تعالیٰ تباہ کر دے۔

مجھے افسوس ہے کہ آپ انتخاب میں حریف بن کر اخلاقیات کے ابتدائی ضابطوں کو بھی بھول گئے ہیں۔ معاملات کو دلائل و براہین سے حل کرو، اختلاف رائے رکھنے والوں کے خلاف یہ افتراء کی عمارتیں کیوں کھڑی کر رہے ہو؟ اور جگہ جگہ فساد و بے حرمتی کا غوغا کس لیے ہے؟ یہ الیکشن تو ہوا کا ایک جھونکا ہے جو آئے گا اور گزر جائے گا اور تم نے اسے سب کچھ سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ استدلال کی عاجزی، براہین کی درماندگی، اصولوں کی پامالی، نصب العین کے بوداپن اور عمل کے افلاس سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوسکتا، اور نہ اتہامات کا شرارہ شمع ہدایت کہلا سکتا ہے۔

میں تمہیں سچائی کی دلیل دیتا ہوں۔ یہ چھ فٹ کی دلیل۔ یہی آغا شورش کاشمیری جو کبھی ہمارے خلاف تھے اور آج ہمارے ساتھی بن چکے ہیں۔ یہ ایک پھول تھا، جو غیر کے چمن میں تھا۔ جس کے کانٹوں کی چبھن بھی مجھے محسوس ہوئی، لیکن میں نے صبر واستقلال کا دامن نہ چھوڑا، اور اب یہ پھول میرے دل کے گلدستے کا نمایاں پھول بنا ہوا ہے۔ میں اسے اپنے بیٹے عطاء المنعم کی طرح سمجھتا ہوں کہ اس نے دولت پر ہمیشہ ایمان کو ترجیح دی ہے۔

(خطاب: چوک فرید، امرتسر، ۲۱ر نومبر ۱۹۴۵ء)

(نوادرات امیر شریعت، منظور احمد حجازی، ص ۵۹ تا ۶۳)

انجام کیا ہوگا؟

۸، ۹ / دسمبر ۱۹۴۵ء کو احرار پارک، باغ بیرون دہلی دروازہ لاہور میں شیخ حسام الدین کی صدارت میں پنجاب پراونشل احرار انتخابی کانفرنس منعقد ہوئی۔ ۹ / دسمبر کو حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے ایک طویل خطاب فرمایا جو رات ۹ بجے سے شروع ہو کر صبح ۵ بجے تک جاری رہا۔ اس اہم انتخابی تقریر میں آپ نے ملک کے سیاسی مسائل کے متعلق مجلس احرار کے نقطۂ نگاہ۔ خصوصاً پاکستان کے متعلق احرار کا موقف واضح کیا۔ ظاہر ہے کہ آٹھ گھنٹے کے اس طویل خطاب کو قلم بند کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ تاہم سہ روزہ ''زم زم'' لاہور ۱۵ / دسمبر ۱۹۴۵ء میں اس کے بعض اہم اقتباسات شائع ہوئے۔ اس خطاب کو جانشین امیر شریعت مولانا سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ نے ''انجام کیا ہوگا؟'' کے عنوان سے دسمبر ۱۹۷۹ء میں شائع کیا۔ جو قارئین کی نذر ہے۔ (مرتب)

حکومتِ الٰہیہ اور نعرۂ پاکستان

پاکستان کا جو نقشہ بتایا جا رہا ہے اور جس کا نعرہ لگایا جا رہا ہے۔ بہ حالات موجودہ نہ تو ہندوستان میں ویسا پاکستان بن سکتا ہے اور نہ ہی حکومتِ الٰہیہ کا قیام عمل میں لایا جاسکتا ہے۔ جو شخص پاکستان اور حکومتِ الٰہیہ کا نعرہ لگا کر مسلمانوں سے ووٹ کی بھیک مانگتا ہے وہ انھیں گمراہ کرتا ہے۔ خود ہمارا ابھی ہرگز یہ دعویٰ نہیں کہ ہمیں ووٹ دو گے تو ہم فوراً ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہم) جیسی حکومت قائم کر دیں گے حاشا وکلا...... یہ تو بہت بڑی بات ہے۔ ہم تو صرف یہ کہتے ہیں کہ دین کے خادم کی حیثیت سے اگر ہمیں کبھی موقع مل گیا تو اللہ کے فضل وکرم سے امید ہے کہ ان شاء اللہ ثم ان شاء اللہ، جوا، شراب، زنا، چوری، ڈکیتی وغیرہ موٹی موٹی برائیاں ہم ضرور ختم کریں گے۔ ان پر پابندی لگا دیں گے اور ان کے مقابلہ میں پورا اسلام تو بہت دور کی بات ہے۔ اس ملک کی مخلوط آبادی اور اس فضا میں اگر ہم اسلام کے چند بنیادی احکام بھی نافذ کرنے میں کامیاب ہو گئے تو سمجھیں میدان مار لیا اور بڑا جہاد ہو گیا۔ فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَه

مسلمان مجاہدین آزادی پر اتہامات:

پچھلے دنوں جب میں کشمیر میں تھا۔ مجھ پر کھلے بندوں تہمت لگائی گئی کہ ہندو کے ہاتھ بک چکا ہے۔ اسے کانگریس نے خرید لیا ہے۔ میرے محترم میاں افتخار الدین نے جو کل تک کانگریسی تھے اور کانگریس سے کٹ جانے کے بعد امرتسر میں جا کر میرے متعلق کہا کہ عطاء اللہ

شاہ کو کانگریس سے روپیہ ملتا ہے۔ میں اس سٹیج سے میاں صاحب کو چیلنج کرتا ہوں کہ پنجاب صوبہ کانگریس کے صدر تو وہ رہے ہیں، وہ خود ہی بتائیں کہ انھوں نے کانگریس سے مجھے کب اور کتنے روپے دلوائے ہیں؟ افسوس ہے کہ انتخابات کی گرما گرمی میں قوم کا اخلاق بگاڑا جا رہا ہے۔

علماء اور بزرگانِ دین کی بے حرمتی:

سکولوں اور کالجوں میں پڑھنے والے طلباء کو اپنے بزرگوں، پیشواؤں اور علماء کے سامنے ناچنے، ان کی بے حرمتی کرنے، ان کو قتل کرنے اور ان کی نورانی اور متبرک داڑھیوں میں شراب کی بوتلیں انڈیلنے کی تربیت دی جا رہی ہے۔ کاش! قوم کے رہنما سوچیں اور سمجھیں کہ وہ مسلمان نوجوانوں کو کس طرف لے جا رہے ہیں؟ ان آنکھوں نے اخبارات میں جب سری نگر میں ابوالکلام آزاد اور پنڈت نہرو کے دریائی جلوس میں مسلم لیگیوں کی طرف سے بدتمیزی اور بدزبانی کا حال پڑھا تو دل مسوس کر رہ گیا۔

مسلمانو! سوچو کہ تمھارے لیڈر تمھیں کس طرف لے جا رہے ہیں؟ ان لوگوں نے خود تاریں دے کر مولانا ''ابوالکلام آزاد'' کو رہا کرایا۔ ورکنگ کمیٹی کے ممبران کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ لیکن شملہ کانفرنس میں جب ان کی کانگریس سے نہ بن سکی تو سرسید کی اولاد جو علی گڑھ کالج کے زیرِ سایہ پل رہی ہے، کل بننے والی اس مسلمان قوم نے علی گڑھ ریلوے اسٹیشن پر مولانا ابوالکلام آزاد کی بے حرمتی کی۔ ان نوجوانوں میں ایسے برخوردار بھی تھے جنھوں نے مولانا کے ڈبے میں داخل ہو کر اپنی پتلونیں اتار دیں۔

مولانا آزاد کی عظمت:

میں لیگی مسلمانوں سے پوچھتا ہوں کہ آخر یہ کیا تماشا ہے کہ تم مولانا آزاد کو کافر کہتے ہو؟ لیکن یہ تو بتاؤ کہ وہ کافر کب سے بنا ہے؟ کیا مکہ میں پیدا ہونے والا یکتائے روزگار عالم، قرآن کی تفسیر کرنے والا عالم دین، محدث اور ایک ایسا بلند پایہ مسلمان جس کی ٹکر کا دوسرا عالم ہندوستان تو کیا ساری دنیا میں چراغ لے کر ڈھونڈنے سے نہیں ملتا تم اس کو

کافر کہہ کر اپنے آپ کو جہنمی بنا رہے ہو؟ اور پھر یہ بدسلوکی مولانا آزاد تک ہی محدود نہیں۔ ان کی وہ قابل احترام اور پاک دامن بیوی جس کو ساری عمر کسی شخص نے بانقاب یا بے نقاب باہر نکلتے بھی نہیں دیکھا۔ اس کی موت کے بعد بے حرمتی اسی مسلمان قوم نے کلکتہ میں کی؟ مولانا جیل میں پڑے تھے تو ان کی بیوی کا انتقال ہو گیا۔ مسلم لیگی رضا کار لٹھ لے کر کھڑے ہو گئے اور مسلمانوں کو روکتے رہے کہ ابوالکلام کی بیوی کی نمازِ جنازہ میں شرکت نہ کرو۔ وہ کافرہ تھی مر گئی۔ اسے جہنم رسید ہونے دو۔ میں ان مسلمانوں سے پوچھتا ہوں کہ تمہارا اسلام تمہیں یہی تعلیم دیتا ہے کہ یگانہ روزگار عالم کی دین دار، پردہ دار اور اسلامی تمدن کے گہوارہ میں پلی ہوئی بیوی کے ساتھ اور وہ بھی اس کی موت کے بعد یہ سلوک کرو؟ اسلام تو غیر مسلم کے ساتھ بھی اس رویے کی اجازت نہیں دیتا۔

مولانا حسین احمد مدنی کی بے حرمتی:

یہاں پر ہی بس نہیں۔ اس دور کے "اپ ٹو ڈیٹ مسلمانوں" نے اپنے اخلاق کو یوپی کے ریلوے اسٹیشنوں، بازاروں، گلی کوچوں، سڑکوں اور میدانوں میں اس حد تک رسوا کیا اور مولانا حسین احمد مدنی جیسے عالم دین کی بے حرمتی کرنے میں سر سید کی اولاد یہاں تک چلی گئی کہ اُن کی ٹوپی جلا دی؟ اُن کی نورانی داڑھی میں شراب کی بوتل انڈیل کر اپنے اخلاق کی انتہائی پستی کا مظاہرہ کیا؟ جانتے ہو علی گڑھ کے نوجوانوں اور یوپی کے مسلمانوں نے یہ سلوک کس سے کیا؟ اس ہستی سے جو چودہ برس تک مدینہ منورہ میں روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ کر ہزاروں تشنگانِ دین کو درسِ حدیث دیتا رہا۔ جس کے دریائے علم میں نہائے ہوئے آج پانچ ہزار محدث مدینہ منورہ سے لے کر ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ سلوک اس حسین احمد سے کیا گیا جو مدنی کہلاتا ہے؟ یہ سلوک اس عالم دین اور بزرگ سے کیا گیا جس نے اپنی جماعت اور اپنے دوستوں کی بھی پروا نہ کرتے ہوئے مسٹر جناح صاحب کا ساتھ دیا اور مسلم لیگ کو مضبوط بنانے کے لیے ۱۹۳۷ء کے انتخاب میں دن رات ایک کر دیا تھا؟ تب وہ حسین احمد ہمارے مقابلہ میں ان کے نزدیک برحق، سچا عالم دین

اور شیخ الاسلام تھا؟ لیکن جب الیکشن کے بعد مسلم پرسنل لاء سنی اوقاف ایکٹ وغیرہ، مسلمانوں کے مطالبات منظور کرانے کے متعلق جناح صاحب نے یقین دہانی سے انکار کردیا، لیگ اپنے وعدوں سے منحرف ہوگئی، مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت کا بھرم کھل گیا اور حقیقت ظاہر ہونے پر مولانا مدنی نے لیگ کی حمایت چھوڑ دی تو اب وہی مدنی لیگی لیڈروں اور کارکنوں کے نزدیک کانگریسی ایجنٹ، شیخ الہنود اور گردن زدنی ہوگیا؟ سننے والے ہی بتائیں کہ مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسین احمد مدنی سے اس قسم کی بدسلوکی کرنے والے ان "نئے مسلمانوں" کی طرف سے اگر میرے جیسے شخص پر جو ان علماء کی خاک پا بھی نہیں ہے۔ یہ الزام لگایا جائے کہ یہ کانگریس کے ہاتھ بک چکا ہے۔ کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔

جذبات کی آندھی:

مسلمانو! میں جانتا ہوں کہ آج جذبات کی آندھی چل رہی ہے۔ پاکستان کے نعرۂ مستانہ نے تم پر ایسی مستی طاری کر رکھی ہے کہ تم وعظ تو میرا سنو گے لیکن ووٹ پھر بھی مسلم لیگ کو دو گے؟ میرے متعلق کہا گیا کہ میں ہندو کے ہاتھ بک چکا ہوں۔ مجھے اس بات کا افسوس نہیں کہ میری ذات پر تہمت لگائی گئی ہے لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ تہمت لگانے والے وہ لوگ ہیں جو خود دین سے دور، اپنی عاقبت سے بے خبر، دوسروں کی عاقبت خراب کرنے والے، شاتم رسول راجپال کے قاتل علم الدین شہید کے مقدمہ میں دس ہزار کی فیس اور فرسٹ کلاس کا کرایہ وصول کرنے والے ہیں۔

آج ہم لوگوں پر جو مسلمانوں کے ٹکڑوں پر پلتے ہیں اور جن کی روزی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے وابستہ ہے، یہ الزام لگاتے ہیں کہ ابوالکلام ہندو کے ہاتھ بک چکا ہے۔ حسین احمد کانگریس نے خرید لیا اور عطاء اللہ شاہ بخاری کو برلا کے خزانہ سے روپیہ ملتا ہے۔ دراصل یہ ان لوگوں کی پست ذہنیت کی بدترین مثال ہے۔

مسلمانوں کا کیا بنے گا؟

مجھے اس بات کا دکھ نہیں کہ حسین احمد کی داڑھی پر شراب کی بوتل انڈیلی گئی، نہ اس بات کا گلہ ہے کہ مولانا آزاد کی بیوی کے جنازہ میں شرکت کرنے والے مسلمانوں کو روکا گیا۔ بلکہ اس بات کا دکھ ہے کہ آج مسلمان قوم کا جو چشم و چراغ مولانا حسین احمد کی داڑھی نوچنے کے لیے ہاتھ بڑھاتا ہے۔ کل اپنے ابا سے ناراض ہو کر اس کی داڑھی پر بھی ہاتھ اٹھائے گا۔ مولانا آزاد کے سامنے اپنی شرم گاہوں کا مظاہرہ کرنے والا اپنے باپ اور ماں کے سامنے ننگا ہو کر ناچنے لگے گا۔ مسلمانو! سوچو کہ مسلم لیگ قوم کو کس طرف لے جا رہی ہے اور جن کے ہاتھ میں کل قوم کی باگ ڈور آنے والی ہے کیا کھیل کھیل رہے ہیں؟

پاکستان کا نعرہ:

میں نے پاکستان کے مسئلہ پر بہت غور و خوض کیا ہے۔ کئی راتیں نیند کے بغیر بسر کر دی ہیں، ساری ساری رات کروٹیں لیتے گزر گئی ہے، مہینوں نہیں سویا۔ یہ بڑا پیچیدہ مسئلہ تھا۔ گزشتہ دنوں میں کشمیر سے جب امرتسر واپس آیا تو مسٹر جناح کا ایک بیان پڑھ کر عقدہ کھلا کہ معاملہ کیا ہے؟

مسٹر جناح نے فرمایا:

> ''پاکستان' پنجاب، سندھ، سرحد، بلوچستان اور بنگال پر مشتمل ہوگا۔ اس کا طرز حکومت جمہوری ہوگا۔ اقلیتوں کو خاص نیابت حاصل ہوگی۔ اس میں مذہبی حکومت نہیں ہوگی۔ اگر ایک پارٹی کی حکومت قائم کرنے کی کوشش کی گئی تو میں اس کی مخالفت کروں گا۔ ہندوستان میں امتیاز نہ ہوگا۔ پاکستان کی آبادی دس کروڑ انسانوں پر مشتمل ہوگی۔ جن میں سے چھ کروڑ مسلمان اور چار کروڑ غیر مسلم ہوں گے۔ دوسری طرف ہندوستان کی آبادی تیس کروڑ پر مشتمل ہوگی۔ جن میں چار کروڑ مسلمان اور چھبیس کروڑ ہندو ہوں گے۔''

اب ذرا مسٹر جناح کے ارشادات کی روشنی میں جائزہ لیجیے کہ یہ پاکستان کیا ہوگا؟ جن صوبوں کو ملا کر پاکستان بنانا مقصود ہے ان کی اقتصادی پوزیشن پر نظر ڈالیے کہ چھ کروڑ مسلمانوں کے مقابلہ میں غیر مسلموں کی تعداد چار کروڑ ہوگی؟ یہ غالب اقلیت کس قدر مضبوط ہوگی۔ اس کا اندازہ لگایا؟

سکھ اور پاکستان:

ابھی میں نے ''خالصہ جی'' کا ذکر ہی نہیں کیا۔ جانتے ہو کہ پاکستان کے رقبہ میں سکھ کی پوزیشن کس قدر نمایاں ہے؟ یہ ''خالصہ جی'' ہیں جنھوں نے ''لاہور سٹیشن'' میں پاکستان کا ریزولیوشن پاس ہونے کے بعد پنجاب بھر میں ''گھلو گھارا ڈے'' منا کر بتایا تھا کہ خالصہ کس قدر تباہی نازل کرسکتا ہے؟ اور جہاں تک پنجاب کا تعلق ہے۔ اُس میں سکھوں کا مذہبی مقام کس قدر بلند ہے؟ اس کو بھی نظر انداز نہ کیجیے۔

اگر تم اپنے تمام مقدس مقامات بھی سکھوں کے حوالے کردو تو بھی وہ پنجاب چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ پاکستان کے متعلق مسٹر جناح نے بیان میں یہ بھی کہا کہ ''پاکستان کی دس کروڑ آبادی بہ طورِ قوم ترقی کرے گی۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں میں کوئی امتیاز نہیں برتا جائے گا، لیکن اس پر کوئی نہیں بولتا اور اگر ہم یہی کہیں کہ ''مسلمان اور غیر مسلموں کو بھائی بھائی کی طرح رہنا چاہیے تو ہم ہندو کے ایجنٹ اور گردن زدنی ہیں؟ افسوس! یہ کیسا انصاف ہے؟

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

(اخبار سہ روزہ ''زمزم'' لاہور، ۹ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۵ دسمبر ۱۹۴۵ء)

(کاروانِ احرار، جانباز مرزا، جلد ۶، ص ۳۸۹ تا ۳۹۴)

پالیٹکس

''سارے قرآن میں ''پالیٹکس'' کے مفہوم میں سیاست کا لفظ نہیں۔ ہاں' میں جانتا ہوں! اس کے معنی ''مکر'' (تدبیر) کے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی سیاست احکامِ الٰہی کے نفاذ کی تدبیر ہے اور ''پالیٹکس'' فرنگی مقامروں کی ایجاد ہے۔ جس کا مطلب ہی فریب دہی ہے۔ پالیٹیشنز کے وعدے پورے ہونے کے لیے نہیں بلکہ ٹالنے کے لیے کئے جاتے ہیں۔ ان بدبختوں کے دل پر خدا کے سوا ہر شئے کا خوف غالب ہے۔ میں نے ''پالیٹکس'' سے زیادہ شریر لفظ نہیں دیکھا۔ یہ خدع وفریب کے ایک ایسے اجتماعی کاروبار کا نام ہے، جس سے بابو لوگ اغراض کی دکان چمکاتے ہیں۔ اِس دور میں ''پالیٹکس'' کا مطلب فتنہ خیزی، فتنہ پروری اور فتنہ انگیزی ہے۔''

(لاہور، ۱۹۴۵ء)

پاکستان کی تھیوری

”رفقائے محترم! گزشتہ سال کے وسط میں، میں نے دہلی میں پاکستان سے متعلق اپنے خدشات کا اظہار کیا تھا جناح صاحب اپنی مجوزہ پاکستان کی تھیوری پر مجھے قائل کرلیں۔ اگر ان کا نظریہ درست نکلا اور مجھے ذہنی اطمینان ہوا تو میں ان شاء اللہ حصولِ پاکستان کے لیے انگریز اور ہندو دونوں سے ٹکرا جاؤں گا۔

میں صرف آئینی سمجھوتے میں ہندوستان کی نجات نہیں سمجھتا اور نہ ہی میرے نزدیک الیکشن کی ہار جیت ملک یا قوم کے لیے نفع بخش ہوسکتی ہے۔ میں تو بس ہندوستان میں انگریز سے ایک ہمہ گیر اور فیصلہ کن لڑائی دیکھنے اور لڑنے کا متمنی ہوں۔ انگریزوں نے اقتدار مسلمانوں سے چھینا اور اب مسلمانوں کو ہی لوٹا کر ہندوستان سے نکل جائیں۔ پھر ہندوستان کے مستقبل کا فیصلہ ہم خود مل جل کر کریں گے۔ فرنگی غاصب ہے، اُسے ہمارے فیصلے کرنے کا کوئی حق ہے نہ اُس سے ہمیں بھلائی کی توقع۔ پاکستان کی موجودہ تھیوری مسلمانوں کے لیے ہلاکت آفرین اور ہلاکت خیز ہے۔ میری سمجھ میں پاکستان کے حق میں کوئی دلیل بھی تو نہیں آئی۔ اس وقت قوم کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔ میں نہیں کہتا کہ میری رائے مان لی جائے۔ سب کو ہی اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے۔ اگر کسی کے پاس میرے دلائل کے خلاف کوئی واضح اور ٹھوس دلائل ہوں تو مجھے اپنے مؤقف پر اب بھی ضد نہیں ہے۔“

[مجلس احرار کی ورکنگ کمیٹی کے اجلاس سے خطاب۔ لاہور، ۲۷؍ مارچ ۱۹۴۶ء]

(حیاتِ امیر شریعت، جانباز مرزا، ص ۲۸۶، ۲۸۷)

پہلے تم نکلو!

ہندو مہا سبھائی لیڈر ڈاکٹر مونجے نے بمبئی میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

"نکال دو اِن مُسلوں کو ہندوستان سے"

حضرت امیر شریعت نے لکھنؤ میں اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

"ہندوستان کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لو، آپ بھی ہماری طرح اس ملک میں نو وارد ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ آپ اس ملک میں پہلے آ کر آباد ہو گئے اور ہم بعد میں آئے۔ اگر نکلنا ہی ہے تو پھر اسی ترتیب سے نکلو جس ترتیب سے آئے ہو۔ پہلے تم نکلو، بعد میں ہم رختِ سفر باندھیں گے۔"

پیارے نہ برا مانو تو اک بات کہوں
کس لطف کی امید پہ یہ جور سہوں

("یادگارِ بخاری" رحیم بخش سیال، صفحہ ۶۶)

("علمی جواہر پارے" اعجاز احمد خان سنگھانوی، صفحہ ۶۱)

پاکستان میں کیا ہوگا؟

اردو پارک دہلی میں

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ

کا یادگار خطاب

(۲۶ر اپریل ۱۹۴۶ء)

پاکستان میں کیا ہوگا؟

زلفیں ہوں گی ، شانے ہوں گے
کہیں کہیں افسانے ہوں گے
دین اور مذہب کے مرقد پر
شمعیں اور پروانے ہوں گے

(امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ)

(''سواطع الالہام'' صفحہ ۱۳۰)

اجتماع کا انعقاد

۲۷؍مارچ ۱۹۴۶ء کو آل انڈیا مجلس احرار اسلام کی ورکنگ کمیٹی کے اجلاس سے فارغ ہو کر حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اپنے رفقاء حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، شیخ حسام الدین اور ماسٹر تاج الدین انصاری کی معیت میں لاہور سے دہلی روانہ ہوئے۔ ان دنوں دہلی میں برطانوی مشن (کرپس مشن) مسلم لیگ اور کانگریس سے تقسیم پاکستان کے سلسلہ میں مذاکرات میں مشغول تھا۔ حضرت امیر شریعت نے تقریباً ایک ماہ تقاریر کے سلسلہ میں انتہائی مصروف گزارا۔ ان دنوں دہلی کے مختلف علاقوں میں احرار کے جلسوں کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ جس سے گورنمنٹ برطانیہ کافی پریشان تھی۔ بالآخر استبدادی حکومتوں کے ہتھکنڈے استعمال کیے گئے اور احرار کے اجتماعات پر پابندیاں لگانی شروع کر دی گئیں۔

۲۶؍اپریل ۱۹۴۶ء کو اردو پارک دہلی میں مجلس احرار اسلام نے ایک بڑے جلسۂ عام کا اہتمام کیا۔ امیر شریعت نے اس عظیم اجتماع سے آخری خطاب کیا۔ پھر اس کے بعد شاہ جی کبھی دہلی دوبارہ نہ جا سکے۔ اس اجتماع میں تقریباً پانچ لاکھ افراد نے شرکت کی۔ حضرت شاہ جی کی اپنی روایت اور دوسری مصدقہ روایات کے مطابق اس سے بیشتر دہلی میں اس سے بڑا اجتماع کبھی نہ ہوا تھا۔ اس اجلاس کی صدارت شیخ الاسلام مولانا سید حسین

احمد مدنی فرمارہے تھے اور سٹیج سیکرٹری کے فرائض ضیغم احرار شیخ حسام الدین انجام دے رہے تھے۔ پنڈال میں نظم وضبط برقرار رکھنا سرخ پوش احرار رضاکاروں کے ہی ذمہ تھا۔ پنڈال کے چاروں طرف احرار رضاکاروں کے دستے تعینات تھے۔ احرار کے سرخ پرچم فضا میں لہراتے ہوئے گل ولالہ کی سی بہار دکھا رہے تھے۔ سٹیج زمین سے بلند چبوترے کی شکل میں بنایا گیا تھا جس پر کرسیوں کی بجائے سفید چادریں بچھا کر ان پر گاؤں تکیے لگا دیے گئے تھے۔ اس وقت سٹیج پر ہندوستان کی عظیم شخصیتیں، قائدین اور آزادی کے سالار فروکش تھے۔ مجلس احرار اسلام کے مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، ماسٹر تاج الدین انصاری اور جمعیت علماء ہند کے بہت سے اکابر جن میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی اور مولانا احمد سعید خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اجلاس کا آغاز قرآن حکیم کی تلاوت اور چند نظموں سے کیا گیا۔ حضرت مدنی نے اپنی مصروفیت کی بنا پر ابتدا میں ہی صدارتی تقریر فرمائی۔ ان کے بعد شیخ حسام الدین نے مجلس احرار کے جنرل سیکرٹری کی حیثیت سے اس اجتماع کی غرض وغایت بیان کی۔ اس کے بعد مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے تقریر کا آغاز فرمایا۔ مولانا کی تقریر کے دوران اچانک انسانوں کے اس سمندر میں لہر اٹھی اور ایک ارتعاش پیدا ہوا۔ دلوں کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں، شوقِ دید تجسس کے لیے سرگرداں ہوا کہ امیر شریعت زندہ باد کے فلک شگاف نعروں نے امن وسکون کی طنابیں توڑ دیں اور نظم وضبط کو درہم برہم کر کے رکھ دیا۔ عوام اپنے محبوب رہنما کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے والہانہ انداز میں سراپا نیاز اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت امیر شریعت سٹیج پر تشریف لائے اور اپنی انتہائی دل آویز مسکراہٹ سے عوام کے پرتپاک خیر مقدم کا جواب دیا۔ ابھی حضرت امیر شریعت بیٹھے ہی تھے کہ پنڈت جواہر لال نہرو، لارڈ سٹیفورڈ کرپس کی معیت میں جلسہ دیکھنے آئے۔ نہرو اس وقت عبوری حکومت کے وزیر اعظم تھے۔ اسٹیج بین

الاقوامی شخصیتوں کے اجتماع سے ایک عجیب منظر پیش کر رہا تھا۔

تقریباً ساڑھے گیارہ بجے شب حضرت امیر شریعت مائیک پر تشریف لائے۔ آپ نے انسانی سروں کے اس بحر بیکراں پر ایک بھرپور نظر ڈالی۔ ایک مرتبہ دائیں دیکھا اور پھر بائیں دیکھا، جیسے لوگوں کی پیشانیوں سے موضوع تلاش کر رہے ہوں۔ پھر خطبہ مسنونہ سے پہلے آپ نے تقریر کا آغاز یوں فرمایا: ''آپ حضرات درود شریف پڑھیں'' پھر دوبارہ فرمایا: ''درود شریف پڑھیں'' تیسری مرتبہ بھی یہی فرمایا۔ لوگ حیران تھے کہ آج شاہ جی اتنے بڑے عدیم المثال سیاسی اجتماع میں تقریر کا آغاز کس انداز سے کر رہے ہیں۔ عوام کی نگاہوں سے ابھرنے والے اس سوال کے جواب میں حضرت امیر شریعت نے خود ہی فرمایا:

> ''آج میں نے یہ اس لیے کیا ہے کہ اتنے عظیم اجتماع کے باوجود یار لوگ صبح کے اخبار میں لکھ دیں گے کہ مجمع تو واقعی پانچ لاکھ کا تھا مگر اس میں مسلمان ایک بھی نہ تھا۔ اس لیے میں نے درود شریف پڑھوالیا ہے تاکہ دوستوں کو معلوم ہو جائے کہ اس اجتماع میں مسلمان ہیں یا یہ اجتماع ہی مسلمانوں کا ہے۔''

اس پر تمام مجمع کشتِ زعفران بن گیا۔ پھر آپ نے مخصوص انداز میں قرآن کریم کی تلاوت شروع کی۔ جوں جوں وقت گزرتا جاتا سامعین شاہ جی کی تلاوت کی تاثیر میں ڈوب ڈوب جاتے۔ حضرت امیر شریعت کے گلے کی حلاوت اور سوز سے ایسا محسوس ہوتا جیسے آیات خداوندی کا نزول ہو رہا ہے۔ وہ آیات پڑھتے جاتے اور قرآنِ کریم اپنے معانی و مطالب خود واضح کرتا چلا جاتا۔ لاکھوں کا یہ اجتماع پتھروں کا ڈھیر معلوم ہوتا تھا۔ چاروں طرف ہو کا عالم اور ایک ایسا سناٹا کہ سوئی گرے تو آواز آئے اور عوام تھے کہ مبہوت بیٹھے تلاوت کلامِ الٰہی سن رہے تھے۔ ڈیڑھ رکوع پڑھنے کے بعد حضرت امیر شریعت نے

تلاوت ختم کی تو پنڈت جواہر لال نہرو اٹھے اور مائیک پر حضرت امیر شریعت کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے اور معذرت خواہانہ انداز میں گویا ہوئے:

> ''بھائیو! میں تو صرف بخاری صاحب سے قرآن سننے کے لیے حاضر ہوا تھا۔ میرے ساتھ سر سٹیفورڈ کرپس بھی ہیں۔ میں انھیں جلسہ دکھانا چاہتا تھا۔ جن حالات میں کھڑا ہوں اور جن کاموں میں مصروف ہوں، آپ جانتے ہیں۔ کامیابی کے لیے دعا کیجیے۔ میں معذرت کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں ۔ برطانوی مشن کی آمد کے باعث مصروفیت بہت زیادہ ہے۔ میرے دوست میرے انتظار میں ہیں۔''

یہ کہہ کر جواہر لال نہرو اسٹیج سے اتر کر چلے گئے۔ حضرت امیر شریعت نے خطبۂ مسنونہ کے بعد تقریر کا آغاز یوں فرمایا:

حضرات! آج میں نے کوئی تقریر نہیں کرنی بلکہ چند حقائق ہیں جنھیں بلا تمہید کہنا چاہتا ہوں۔ آئینی اور غیر آئینی دنیا میں خواہ اس علاقے کا تعلق ایشیا سے ہو یا یورپ سے، اس وقت جو بحث چل رہی ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان کی ہندو اکثریت کو مسلم اقلیت سے جدا کر کے برصغیر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

پاکستان میں کیا ہوگا؟

قطع نظر اس کے کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟ مجھے پاکستان بن جانے کا اتنا ہی یقین ہے جتنا اس بات پر کہ صبح کو سورج مشرق ہی سے طلوع ہوگا۔ لیکن یہ پاکستان وہ پاکستان نہیں ہوگا جو دس کروڑ مسلمانوں کے ذہنوں میں اس وقت موجود ہے اور جس کے لیے آپ بڑے خلوص سے کوشاں ہیں۔ ان مخلص نوجوانوں کو کیا معلوم کہ کل ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟ بات جھگڑے کی نہیں، سمجھنے اور سمجھانے کی ہے۔ سمجھا دو، مان لوں گا۔ لیکن تحریک پاکستان کی قیادت

کرنے والوں کے قول وفعل میں بلا کا تضاد اور بنیادی فرق ہے۔ اگر آج مجھے کوئی اس بات کا یقین دلا دے کہ ہندوستان کے کسی قصبہ کی گلی میں، کسی شہر کے کسی کوچہ میں، حکومتِ الٰہیہ کا قیام اور شریعت اسلامیہ کا نفاذ ہونے والا ہے تو رب کعبہ کی قسم میں آج ہی اپنا سب کچھ چھوڑ کر آپ کا ساتھ دینے کو تیار ہوں۔ لیکن یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ جو لوگ اپنے جسم پر اسلامی قوانین نافذ نہیں کر سکتے وہ دس کروڑ افراد کے وطن میں کس طرح اسلامی قوانین نافذ کر سکتے ہیں؟ یہ ایک فریب ہے اور میں یہ فریب کھانے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوں۔

پھر آپ نے اپنی کلہاڑی کو دونوں ہاتھوں میں اٹھا کر تقسیم کے بعد مشرقی اور مغربی پاکستان کا نقشہ سمجھانا شروع کیا۔ آپ نے فرمایا:

مشرقی ومغربی پاکستان کی حالت:

اُدھر مشرقی پاکستان ہوگا، اِدھر مغربی پاکستان ہوگا۔ درمیان میں چالیس کروڑ ہندو کی متعصب آبادی ہوگی جس پر اس کی اپنی حکومت ہوگی اور وہ حکومت لالوں کی حکومت ہوگی۔ کون لالے؟ لالے دولت والے، لالے ہاتھیوں والے، لالے مکار لالے...... ہندو اپنی مکاری اور عیاری سے پاکستان کو ہمیشہ تنگ کرتے رہیں گے۔ اسے کمزور کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔

اس تقسیم کی بدولت آپ کا پانی روک دیا جائے گا۔ آپ کی معیشت تباہ کرنے کی کوشش کی جائے گی اور آپ کی یہ حالت ہوگی کہ بوقت ضرورت مشرقی پاکستان، مغربی پاکستان کی اور مغربی پاکستان، مشرقی پاکستان کی مدد سے قاصر ہوگا۔

اندرونی طور پر پاکستان میں چند خاندانوں کی حکومت ہوگی اور یہ خاندان زمینداروں، صنعت کاروں اور سرمایہ کاروں کے خاندان ہوں گے۔ انگریز کے پروردہ، فرنگی سامراج کے خود کاشتہ پودے، سروں، نوابوں اور جاگیرداروں کے خاندان ہوں گے۔ جو اپنی من مانی کارروائی سے محبِ وطن اور غریب عوام کو پریشان کر کے رکھ دیں گے۔ غریب کی

زندگی اجیرن ہو جائے گی۔ ان کی لوٹ کھسوٹ سے پاکستان کے کسان اور مزدور نان شبینہ کو ترس جائیں گے، امیر روز بروز امیر اور غریب غریب تر ہوتے چلے جائیں گے۔

رات کافی بھیگ چکی تھی۔ حضرت امیر شریعت اپنی سیاسی بصیرت کے موتی بکھیر رہے تھے اور مستقبل سے ناآشنا مسلمان منہ کھولے انجانے واقعات کو حیرت و استعجاب کے عالم میں سن رہے تھے۔ حضرت امیر شریعت نے فرمایا:

پاکستان کی بنیاد:

پاکستان کی بنیاد ہندو کی تنگ نظری اور مسلمان دشمنی پر استوار ہوئی ہے، دولت سے پیار کرنے والے ہندو نے گائے کی پوجا کی، پیپل مہاراج پر پھول چڑھائے، چیونٹیوں کے بلوں پر شکر اور چاول ڈالے، سانپ کو اپنا دیوتا مانا...... لیکن مسلمان سے ہمیشہ نفرت کی۔ اس کے سائے تک سے اپنا دامن بچائے رکھا۔ پھر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ ذات پات کے پجاری بڑے سے بڑے ہندو نے اچھوتوں پر اپنے مندروں کے دروازے کھول دیئے۔ لیکن مسلمانوں کے لیے اپنے دل کے دروازے کبھی وا نہ کیے۔ آج اسی تعصب، تنگ نظری اور حقارت آمیز نفرت کا یہ نتیجہ ہے کہ مسلمان اپنا الگ وطن مانگنے پر مجبور ہوا ہے اور کانگریس یہ سب کچھ دیکھ کر بھی اپنی مصلحتوں کی بنا پر خاموش رہی۔ اگر کانگریسی رہنما ہندو مہاسبھائیوں، جن سنگھی انتہاپسندوں اور اسی قسم کی تحریکوں کو اپنے اثر سے ختم کر دیتے اور وہ کر بھی سکتے تھے تو مسلم لیگ کے یہاں پہنچنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہتی۔ مگر کیا کیا جائے کہ یہ کوڑھ کانگریس کے اندر سے پھوٹا ہے۔ جو بیماری جسم کے اندر سے پیدا ہو اس کا علاج محض باہر کے اثرات کو تبدیل کرنے سے نہیں ہو سکتا۔ کانگریس نے ہمارے ساتھ بھی نباہ نہ کیا۔ اگر مسلم لیگ سے بگاڑ پیدا کیا تھا تو نیشنلسٹ مسلمان کی بات ہی مان لی ہوتی۔ لیکن ایسا نہ ہو سکا اور ہوا کیا کہ آج اس قدر قربانیوں کے باوجود دونوں فرنگی کو اپنا ثالث مان رہے ہیں۔ کون فرنگی؟ جو ہندوستان کے لیے کبھی بھی صحت مند اور انصاف پر مبنی فیصلہ ہرگز نہیں دے سکتا۔ اے کاش! کانگریس نے ہم سے نہیں تو مسلم لیگ سے ہی

بنائی ہوتی۔ تا کہ آپس میں مل بیٹھ کر کوئی صحیح حل تلاش کرلیا جاتا۔

شب ڈھلک رہی تھی، سحر قریب تھی اور حضرت امیر شریعت بے تکان بولے جارہے تھے۔ کیا مجال کہ ایک متنفس بھی کہیں سے ہلا ہو۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ جیتے جاگتے انسان نہیں بلکہ انسانی شکل وصورت کی مورتیاں پڑی ہوئی ہیں۔

آخر میں حضرت امیر شریعت نے زوردار آواز میں کہا:

کانگریس اور مسلم لیگ دونوں سنو:

آج جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ لے
پھر التفاتِ دلِ دوستاں رہے نہ رہے

شاہ جی کی پیش گوئی:

یادرکھو! اگر آج تم باہم بیٹھ کر کوئی معاملہ طے کرلیتے تو وہ تمہارے حق میں بہتر ہوتا۔ تم الگ الگ رہ کر باہم شیر وشکر رہ سکتے تھے۔ مگر تم نے اپنے تنازعہ کا انصاف فرنگی سے مانگا ہے اور وہ تم دونوں کے درمیان کبھی نہ ختم ہونے والا فساد ضرور برپا کر کے جائے گا۔ جس سے تم دونوں کبھی چین سے نہیں بیٹھ سکو گے۔ اور آئندہ بھی تمہارا آپس کا کوئی ایسا تنازعہ باہمی گفتگو سے کبھی بھی طے نہیں ہوسکے گا۔ آج انگریز سامراج کے فیصلے سے تم تلواروں اور لاٹھیوں سے لڑو گے تو آنے والے کل کو توپ اور بندوق سے لڑو گے۔ تمہاری اس نادانی اور من مانی سے اس برصغیر میں جو تباہی ہوگی، عورت کی جو بے حرمتی ہوگی، اخلاق اور شرافت کی تمام قدریں جس طرح پامال ہوں گی، تم اس کا اندازہ نہیں کرسکتے۔

لیکن...... میں دیکھ رہا ہوں کہ یہاں وحشت ودرندگی کا دور دورہ ہوگا، بھائی، بھائی کے خون کا پیاسا ہوگا۔ انسانیت اور شرافت کا گلہ گھونٹ دیا جائے گا اور کسی کی عزت محفوظ نہیں ہوگی۔ نہ مال، نہ جان، نہ ایمان اور اس سب کا ذمہ دار کون ہوگا؟ تم دونوں! کانگریس اور مسلم

لیگ، لیکن تم یہ سب کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ تمہاری آنکھوں پر تمہاری اپنی خود غرضیوں اور ہوس پرستیوں نے پردے ڈال رکھے ہیں اور تم ایک ایسے شخص کی مانند ہو کہ جو عقل رکھتا ہے مگر صحیح سوچنے سے عاری ہے۔ کان ہیں مگر سن نہیں سکتا۔ آنکھیں ہیں مگر بصیرت چھن چکی ہے۔ اس کے سینے میں دل تو دھڑک رہا ہے مگر احساسات سے خالی محض گوشت کا ایک لوتھڑا۔

فانها لاتعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور.

ابھی تقریر جاری تھی کہ صبح کی اذان کی آواز کانوں میں پڑی اور حضرت امیر شریعت نے دہلی والوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

دہلی والو! سن رکھو! میری یہ باتیں یاد رکھنا۔ حالات بتا رہے ہیں کہ اب جیتے جی پھر کبھی ملاقات نہ ہو سکے گی۔

اب تو جاتے ہیں بت کدے سے میرؔ
پھر ملیں گے، اگر خدا لایا

حضرات! یہ تھے وہ چند حقائق جن کو میں بغیر کسی تمہید کے کہنا چاہتا تھا۔ سو آج میں نے کہہ دیئے اور اب:

مانیں نہ مانیں آپ کو یہ اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں

(۱)

شاہ جی اسٹیج سے رخصت ہوئے تو صبح کا اجالا پھیل رہا تھا اور انسانوں کا ایک بے پناہ ہجوم گھروں کو واپس لوٹ رہا تھا۔ نوابزادہ نصر اللہ خان کا بیان ہے کہ (۲) برطانوی مشن کے سربراہ لارڈ سٹیفورڈ کرپس اپنے وفد کے ہمراہ جلسہ گاہ کے باہر گھومتے رہے۔ وہ شاہ جی کی تقریر کے سحر اور جلسہ کے تاثرات کا جائزہ لے کر پنڈت نہرو کے ساتھ واپس چلے گئے۔ مولانا ابوالکلام آزاد برطانوی مشن سے مذاکرات میں مصروفیت کی بناء پر جلسہ میں

(۱) ''کاروانِ احرار''، جلد ہفتم، جانباز مرزا، صفحہ ۱۲۶ تا ۱۳۲ (۲) مرتب سے ایک ملاقات میں گفتگو

شریک نہ ہو سکے تھے۔ نماز فجر کے بعد میں اور چند احرار دوست، مولانا ابوالکلام آزاد سے ملنے ان کی کوٹھی پر گئے تو وہ صحن میں چہل قدمی کر رہے تھے۔ ہم نے سلام عرض کیا تو مولانا کا پہلا سوال شاہ جی کی تقریر سے متعلق تھا۔ فرمانے لگے:

''ہاں میرے بھائی! رات جلسہ کیسا رہا؟

شاہ جی نے کیا کہا؟''

تفصیل عرض کی تو وہ بہت خوش ہوئے اور ایک دل نواز تبسّم کی لہر ان کے چہرے پر پھیل گئی۔

نئی عارضی حکومت اور وزارتی مشن فارمولا

مسلم لیگ نے وزارتی مشن کی تجویز کو قبول کر کے ایک مرکز اور ایک قوم کے اصول کو تسلیم کرلیا اور پاکستان کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا تھا۔ لیکن ڈیڑھ ماہ کے بعد اسی مسلم لیگ نے اپنے اس فیصلے کو واپس لے لیا۔ اب سارا معاملہ اور جھگڑا نشستوں کا ہے کہ مسلمان کو پانچ ملیں، چھ نہ ملیں۔ میں مسٹر جناح سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کونسا بدبخت مسلمان ہوگا جو کانگریس کی طرف سے حکومت میں شامل ہو کر اسلامی مفاد کی حمایت نہیں کرے گا؟ مجلس احرار اسلام نے کانگریس کے سامنے پینتالیس، پینتالیس اور دس کا فارمولا رکھا تھا۔ یعنی صوبوں کی کامل خودمختاری اور دفاع، امورِ خارجہ اور مواصلات مرکز کے پاس رہیں۔ مرکز میں ہندوؤں کے برابر مسلمانوں کو نشستیں دی جائیں تاکہ ہندوستان کی دو بڑی قوموں میں سے کسی کو دوسری قوم کے سیاسی غلبے اور اقتدار کا خطرہ باقی نہ رہے۔ اس بنیاد پر پینتالیس مسلم، پینتالیس ہندو اور دس دیگر غیر مسلم اقلیتوں کا فارمولا پیش کیا گیا۔ لیکن مسلم لیگ نے پینتالیس کی بجائے پینتیس فیصد قبول کرلیا۔ اب ہم کس منہ سے کانگریس سے کہیں کہ وہ مسلمانوں کو پینتالیس فیصد نیابت دے۔

مسلم لیگ کے لیڈر ملک میں تشدد کی دھمکیاں نہ دیں اور آتشیں تقریریں نہ کریں۔ اس طرح وہ ملک کے امن کو خراب نہ کریں۔ مسلم لیگ کو چاہیے کہ وہ نئی عارضی

حکومت میں شامل ہو جائے۔ اس لیے کہ وہ حکومت کے اندر جا کر مسلمانوں کی بہتر خدمت کر سکتی ہے۔ جو چیز مسلمانوں کے لیے مفید ہوگی، احرار اس کی باہر رہ کر حمایت کریں گے اور جو بات اسلامی اصولوں کے خلاف ہوگی، اس کی ڈٹ کر مخالفت کریں گے۔

لیگی دوستو! کانگریس کو اکیلے حکومت کرنے کا موقع مت دو۔

مجلس احرار نے گزشتہ سال مسٹر جناح کے سامنے "آل پارٹیز مسلم کانفرنس" کی تجویز رکھی تھی اور اس کے لیے تمام جماعتوں کے نمائندوں کو مولانا ابوالکلام آزاد کے مکان پر جمع کرنے کا ذمہ لیا تھا۔ ہم چاہتے تھے کہ مسٹر جناح اس کانفرنس میں شریک ہو کر بتائیں کہ مسلمانوں کے لیے پاکستان کس طرح مفید ہے، لیکن مسٹر جناح نے ہماری اس اپیل کو بہرے کانوں سے سنا۔ میں اب بھی انھیں دعوت دیتا ہوں کہ وہ آل پارٹیز مسلم کانفرنس میں شریک ہو کر اپنی بات سمجھائیں۔

ایک طرف وہ غیر لیگی مسلمانوں کو مسلمان ہی نہیں مانتے اور دوسری طرف انھیں مسلم لیگ میں شمولیت کی دعوت دے رہے ہیں۔ اس واحد نمائندگی کے زعم میں جب انھیں ہندو اور انگریز سے منہ کی کھانی پڑی تو نیشلسٹ مسلمانوں کے ساتھ مجلس احرار کو بھی دعوت دی جا رہی ہے کہ مسلم لیگ میں شامل ہو کر اُس کا ساتھ دے۔

مجوزہ تقسیم مسلمانوں کے مسائل کا حل نہیں:

میری بات یاد رکھو! اگر مسٹر جناح اپنی ضد پر اڑے رہے تو پھر ہندوستان ہی تقسیم نہیں ہوگا، پاکستان بھی تقسیم ہوگا۔ امرتسر تک کا علاقہ ہندوستان لے جائے گا اور پاکستان پر رفتہ رفتہ وہی لوگ قابض ہو جائیں گے جو آج بھی انگریز کے غم خوار اور نمک خوار ہیں۔ یہ امراء کی ایک جنت ہوگی لیکن ننانوے فیصد عوام کے لیے یہی شب و روز ہوں گے اور اسلام ایک مسافر کی طرح ہوگا۔

میں مسلمانوں میں تصادم نہیں چاہتا۔ نقطۂ نگاہ کی بات ہے۔ مسٹر جناح مسلمان جماعتوں کی ایک مجلس مشاورت بلائیں۔ مجھے اپنے نقطۂ نگاہ پر قائل کر لیں تو میں ان کا سپاہی ہو جاؤں گا۔ مجھے کیا لینا ہے؟ کچھ نہیں، لیکن اس صورت میں ان کی جنگ میں لڑوں گا۔

مسلم لیگ والو! تم ہندوستان کے مسلمانوں کا حل پاکستان بتاتے ہو۔ میرا نقطۂ نگاہ یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا مسئلہ تمہاری مجوزہ تقسیم سے کبھی حل نہیں ہوگا۔ ہاں! اس سے دس کروڑ مسلمان تین حصوں میں بٹ جائیں گے۔

جواہر لال کو...... تم ''اشوک'' کا تخت بچھا کر دے رہے ہو۔ ہندو کو اتنی بڑی سلطنت اشوک کے بعد کبھی نہیں ملی۔

رکھیو غالبؔ مجھے اس تلخ نوائی سے معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

(خطاب: بیرون دہلی دروازہ لاہور، ۲ ستمبر ۱۹۴۶ء)

(روزنامہ ''انقلاب'' لاہور، ۴ ستمبر ۱۹۴۶ء)

صحیح فیصلوں اور تیاری کا وقت

''عزیزانِ من! وقت آ گیا ہے کہ مسلمان اپنے تمام مذہبی اور سیاسی اختلاف کو بھلا کر صرف اپنی آبرو بچانے کی تدبیریں سوچیں۔ ہمسایہ قومیں مسلمانوں کے وجود کو مٹانے کی فکر کر رہی ہیں۔ سکھوں کے گوردوارے اور ہندوؤں کے مندر جنگی قلعے بن گئے ہیں۔ سامانِ حرب سے لیس غیر مسلم قومیں تمہارے خون کی پیاسی ہو گئی ہیں۔

میں نے گزشتہ تیس سال تمہیں ایک طرف انگریز کے خلاف جدوجہد پر ابھارا تو دوسری طرف اپنے بازو پر بھروسہ کرنے کا سبق بھی دیا۔ تمہیں یاد ہو گا کہ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اپنے اندر زندہ رہنے کی صلاحیتیں پیدا کرو۔ قومیں جب انتقام لینے پر آتی ہیں تو پھر کسی کا بھی لحاظ نہیں کرتیں۔ مگر تم نے میری ایک نہ سنی بلکہ سنی اَن سنی کر دی۔ آخر وہی ہوا جس کا خطرہ تھا۔

کون سنتا ہے فغانِ درویش
قہرِ درویش بجانِ درویش

یاد رکھنا، اگر اب بھی تم نے صحیح فیصلہ کرنے میں ڈھیل کی تو دریائے بیاس اور ستلج پانی کی بجائے تمہارے خون سے بہیں گے۔ جو کچھ میری نگاہیں دیکھ رہی ہیں اور دشمن جو منصوبے بنا چکا ہے، خدا نہ کرے ایسا ہو۔ اگر ایسا ہوا تو پھر تمہاری عزت و آبرو کا خدا حافظ۔

وقت تمہیں مہلت نہیں دے گا۔ اٹھو! حالات سے مقابلے کے لیے کفن بردوش ہو جاؤ۔ اپنے گھر میں جس قدر سامانِ حرب جیسا کیسا ہو جمع کر و اور اپنی حفاظت کے لیے کمربستہ ہو جاؤ۔ یہ میری آخری گزارش ہے۔ پھر خدا جانے میں زندہ رہوں، نہ رہوں یا تم میں سے کوئی حالات کی نذر ہو جائے۔ جو کچھ میں نے کہا ہے اس کی تیاری کرو۔

جس روز کسی اور پہ بے داد کرو گے
یہ یاد رہے، ہم کو بہت یاد کرو گے

[احرار کانفرنس انبالہ میں خطاب۔ نومبر ۱۹۴۶ء/ حیاتِ امیر شریعت، جانباز مرزا، ص ۳۰۰]

وسیع تر پاکستان:

میں بھی پاکستان کا حامی ہوں مگر لولے لنگڑے پاکستان کا نہیں......وسیع تر پاکستان کا۔
جس کا ایک وجود ہو، جو واقعی پاکستان ہو، پورا پنجاب اور پورا کشمیر اس میں شامل ہو۔
میرے نادان دوستو! تم ٹکڑوں میں بٹے ہوئے پاکستان کے پیچھے دوڑ رہے ہو۔
یاد رکھو! اس پاکستان کا مستقبل بڑا خطرناک ہوگا، اسلام کے نام پر حاصل کردہ اس پاکستان میں اسلام ہی کا مذاق اڑایا جائے گا۔
یقین جانو! پاکستان میں اسلام نافذ نہیں کیا جائے گا۔

(احرار کانفرنس انبالہ، نومبر ۱۹۴۶ء)

(روایت: جناب وکیل احمد قریشی، سلانوالی (سرگودھا)

آزادی کی پہلی قسط، ہمہ گیر تباہی

مجھے صاف نظر آ رہا ہے، میں دیکھ رہا ہوں کہ دور دور تک آگ لگی ہوئی ہے۔ مکان جل رہے ہیں، دکانیں لوٹی جا رہی ہیں اور قزاق عصمتیں اڑائے سرپٹ دوڑ رہے ہیں۔ ماں بیٹے کو چھوڑ چکی، باپ بیٹی کو ہار چکا ہے۔ بھائی بہن کو بھول گیا ہے اور خاوند بیوی سے الگ ہو گیا ہے۔ سب رشتے ٹوٹ گئے ہیں، چاروں طرف قیامت کا صور پھنک گیا ہے، دریاؤں میں خون ہے، ہواؤں میں دھواں، دھرتی طوطا چشم ہو گئی ہے۔ سیاست دانوں نے جغرافیائی نقشہ اٹھا کر اس پر ضرب و تقسیم کی ہے لیکن اس کی بدولت بڑی مدت کے لیے انسان مر گیا ہے۔ برصغیر میں تبلیغ کا دروازہ بند اور جذبۂ جہاد ختم کرنے کی سازش ہو رہی ہے۔ ہم نے سیاسی حقوق کے حصول کی خاطر دینی فرائض سے بغاوت کر دی ہے۔ مسلمانوں کو تیاری کے بغیر ایک ایسی آگ میں جھونک دیا گیا ہے جس کا واحد نتیجہ ہمہ گیر تباہی ہے۔ اگر مسلمانوں کے ساتھ بدعہدی کی گئی تو پاکستان سیاسی مفاد پرستوں اور قومی غداروں کی آماجگاہ بن جائے گا:

لعنت بر پدرِ فرنگ

میاں! آج ہنستے ہو کل روؤ گے۔ تم نہیں دیکھ سکتے، میں دیکھ رہا ہوں۔ جو کچھ بیت رہا اور جو کچھ بیتنے والا ہے۔ ایک وباء پھوٹ چکی اور ایک وباء آ رہی ہے۔ بند ٹوٹ چکا

اور سیلاب کا رکنا محال ہے۔

ہاں بھائی! انگریز کا مفاد اسی میں ہے کہ بستیاں کوئلہ ہو جائیں اور لوگ قتل ہوں۔ آخر جانے سے پہلے فرنگی بابا آزادی کی قیمت لے کر ہی جائے گا۔ تم نے آزادی مانگی تھی، یہ لو آزادی؟ یہ اس کی پہلی قسط ہے۔

قدرت کبھی معاف نہیں کرتی۔ اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ میری آنکھیں بہت کچھ دیکھ چکی ہیں اور بہت کچھ دیکھ رہی ہیں۔ میں نے ہوا کا رخ جس طرف دیکھا ہے تم اس کے برعکس دیکھو گے۔ برہنہ گفتگو کا موقع نہیں ورنہ جو کچھ جہد آزادی کے دور میں ہوتا رہا اور برطانوی سرکار نے خود کاشتہ خاندانوں کے لیے جو کچھ کیا یا ان خاندانوں نے برطانوی سرکار کے لیے جو خدمات انجام دیں وہ روداد اتنی تلخ ہے کہ عرش و فرش کانپ اٹھتے ہیں۔

(مارچ ۱۹۴۷ء، دفتر احرار لاہور)

(سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ۔ سوانح و افکار، شورش کاشمیریؒ)

وائسرائے کا اعلان: جناح اور نہرو کا اتفاق

آپ وائسرائے کا اعلان سن چکے ہیں۔ مسلم لیگ کی طرف سے مسٹر جناح نے اور کانگریس کی طرف سے پنڈت نہرو نے ملک کو نئی تجویز ماننے کی سفارش کی ہے۔ اب جبکہ پاکستان کسی نہ کسی صورت میں ہمارے سامنے آگیا ہے۔ ہمارے لیے اس کے حسن و قبح کا اندازہ لگانا بہت آسان ہوگیا ہے۔ اس فیصلہ سے پنجاب و بنگال ہی کو تقسیم کرنے پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ بلکہ وائسرائے نے ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے علاوہ اور ضروری امور کو مدنظر رکھ کر تقسیم عمل میں لانے کا اشارہ بھی کیا ہے اور پریس کانفرنس میں خیال کے طور پر ضلع گورداسپور کے بیشتر حصوں کی مسلم پنجاب سے علیحدگی کا فیصلہ بھی فرمادیا ہے۔ پنجاب سے جالندھر ڈویژن جیسا زرخیز علاقہ امرتسر جیسا تجارتی مرکز اور گورداسپور جیسے شاندار حصے کے بغیر پنجاب کی اقتصادی حالت اس صوبے کے وقار اور دفاعی روایات ہمیشہ کے لیے ختم ہوکر رہ گئی ہیں۔ مسٹر جناح نے ابھی زیادہ دن نہیں گزرے، پاکستان کے ایک ایک انچ کے لیے لڑنے کا اعلان کیا تھا اور پاکستان کے علاوہ ساڑھے آٹھ سو میل لمبی گزرگاہ کا مطالبہ بھی کیا تھا۔

ہمیں اب ٹھنڈے دل سے حالات کا صحیح جائزہ لینا چاہیے۔ اور اس فیصلہ پر عمیق غور وفکر کے بعد رائے قائم کرنی چاہیے۔ آج لڑنے جھگڑنے کا وقت نہیں۔ قوموں کی

تقدیریں بننے اور بگڑنے کا وقت ہے۔ ہمیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ امرتسر کے سرفروشوں کی قربانیوں اور میواتی مجاہدوں کے ایثار کو مسلم لیگ کونسل کیونکر فراموش کر سکتی ہے۔ علاوہ ازیں آج ہمیں اپنے پانچ کروڑ مسلمان بھائیوں کو نہیں بھولنا چاہیے جو اقلیتی صوبوں میں ہندوؤں کے ماتحت چلے جائیں گے۔ مسلمانِ ہند کی نصف آبادی کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑا جا سکتا۔ موجودہ پاکستان کی اقتصادی حالت لازمی طور پر اسے مجبور کرے گی کہ وہ اپنا تعلق غیر معیّن عرصہ کے لیے برطانیہ سے برقرار رکھے۔ اس طرح ہندوستان کی متوقع آزادی میں مسلمانانِ ہند کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔

مجھے یہ بھی یقین ہے کہ انبالہ ڈویژن، جالندھر، امرتسر، گورداسپور اور مغربی بنگال کا مسلمان کبھی اس نامنصفانہ اور جانبدارانہ تقسیم کو منظور نہ کرے گا۔ گوڑگانوہ اور امرتسر کے مسلمانوں کی بے پناہ قربانیاں نہایت درد انگیز اور ناقابلِ فراموش ہیں۔ اس موقع پر ان بہادر فرزندانِ توحید کو جن کی خانہ ویرانی کی تکمیل ہو چکی ہے، نظر انداز کرنا اتنی بڑی غداری ہوگی جسے آئندہ نسل کبھی معاف نہیں کرے گی۔

ہندوستان کی برطانوی تھیٹریکل کمپنی میں جو ڈراما کھیلا جا رہا ہے یہ مسلمانوں کے لیے تباہ کن ہے۔ یہی چیز ۱۹۴۴ء میں راج گوپال اچاریہ کے ایماء پر گاندھی نے مسٹر جناح کو پیش کی تھی۔ اس وقت مسٹر جناح نے کہا تھا کہ یہ ہماری لاہور والی قرارداد کے منافی ہے۔ اس سے مسلمانوں کے محبوب نصب العین پر کاری ضرب لگتی ہے۔ مگر اب وہی چیز مسٹر جناح نے منظور کر لی۔ اگر ۱۹۴۴ء میں اس سکیم کو منظور کر لیا جاتا تو ہندوستان قتل و غارت اور فسادات کی آگ سے بھی بچ جاتا۔ ہزاروں گھر برباد نہ ہوتے۔ ہندوستان کی عزت ہوتی۔ اب اس لیے مسٹر جناح نے اس سکیم کو منظور کیا ہے کہ ان کے پاس مدافعت کی طاقت نہیں۔ وہ انگریزوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ چونکہ وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اپنے ایوارڈ

کے پہلے لفظوں میں کہا تھا کہ اگر ہندوستان کے لیڈر وزارتی مشن کی سکیم کو مان لیں تو بہتر ورنہ یہ ایوارڈ ہر حالت میں ان کو ماننا پڑے گا۔

اس لیے مسٹر جناح نے اس سکیم کو ماننے پر آمادگی ظاہر کی ہے۔ مجلس احرار کو الیکشن میں ناکام ہو جانے کا دکھ نہیں ہوا تھا جتنا کہ اب مسٹر جناح کی اس سکیم کو ماننے سے دکھ ہوا ہے۔

پنجاب اور بنگال اور ہندوستان کے مسلمانوں کا فرضِ اولین ہے کہ وہ ہر جائز طریقے سے اس سکیم کی مخالفت کریں اور ہندوستان کی ہر دو بڑی پارٹیوں پر زور دیں کہ وہ اس سکیم کو مسترد کر دیں اور کوئی درمیانی راستہ تلاش کریں۔ جس سے بدنصیب ہندوستانی مسلمان آرام اور چین کی زندگی بسر کر سکیں۔

(آل انڈیا احرار ورکنگ کمیٹی کے اجلاس سے صدارتی خطاب)

(منعقدہ: ۱۰، ۱۱، ۱۲ / جون ۱۹۴۷ء، دہلی)

(کاروانِ احرار، جانباز مرزاؒ، جلد ۸، صفحہ ۲۹۹ تا ۳۰۱)

دوستی کے تمام رشتے منقطع ہو گئے

''دہلی والو! تمھیں یاد ہوگا کہ گزشتہ سال [1] اسی جگہ میں نے آپ سے کہا تھا کہ مجھے پاکستان بننے کا اسی قدر یقین ہے جس طرح آپ میرے سامنے بیٹھے ہیں۔ فرنگی اپنی ضرورت کے لیے اس ملک کو تقسیم کرے گا۔ آج برطانیہ کے تازہ اعلان نے میری بات درست ثابت کر دی۔ مجھے یاد ہے، میں نے یہ بھی کہا تھا کہ انگریز کو ثالث قرار دینے کی بجائے اگر آپس میں بات طے کر لیتے تو بہتر تھا۔ میں نے یہ عرض کیا تھا کہ جس کام کو تم مستقل امن قرار دے رہے ہو، یہ تمھارے لیے ہمیشہ کے لیے عذاب بن جائے گا۔ تم نے میری بات نہیں مانی۔ اس وقت تم جذبات کی رو میں بہہ رہے تھے۔ اور اپنے راستے میں تم نے ایسے کانٹے بوئے ہیں کہ قیامت تک تمھارا دل اور ایمان زخمی ہوتے رہیں گے۔

پنجاب اور بنگال کی تقسیم نے زندگی کی راہوں کو مزید دور کر دیا ہے۔ یہ راہیں اگر محبت سے بنائی جاتیں تو ممکن ہے الجھاؤ پیدا نہ ہوتا۔ مگر دشمنی سے کھینچی ہوئی لکیر نے دوستی کے تمام رشتے منقطع کر دیئے ہیں۔

(ورکنگ کمیٹی کے اجلاس کے بعد اردو پارک دہلی میں جلسۂ عام سے آخری خطاب ۱۲ رجون ۱۹۴۷ء)

(کاروانِ احرار، جانباز مرزا، جلد ۸، صفحہ ۳۰۳)

---

(۱) ۲۶ راپریل ۱۹۴۶ء کو اردو پارک دہلی میں جلسۂ عام سے خطاب

قیامِ پاکستان کے بعد

برٹش راج:

''میری سلطنت میں آفتاب غروب نہیں ہوتا''

امیر شریعت:

از مکافاتِ عمل غافل مشو

کہاں ہے وہ سلطنت؟

اب اُسے ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لے کر

پاکستان کی فلاح و بہبود

لیگ سے ہماری سیاسی کشمکش ختم ہو چکی ہے اور الیکشن کے ساتھ ہی ختم ہو چکی تھی۔

اِس وقت لیگ قوت حاکمہ ہے۔ مسلمانوں نے اسے بنایا اور قبول کر لیا ہے۔ پاکستان نہ صرف مسلم لیگ کا بلکہ کانگریس کا تقسیم پنجاب کے اضافے کے ساتھ تسلیم کردہ معاملہ ہے جس پر ''حضور'' برطانیہ کی مہر ثبت ہے۔ اس میں صرف مسلم لیگ کو ہدفِ ملامت بنانا آئینِ شرافت سے بعید ہے۔ اگر اچھا کیا تو کانگریس اور لیگ دونوں نے' اگر برا کیا تو دونوں نے۔ اب پاکستان بن چکا اور تقسیم پنجاب کو کانگریس نے پیش کر کے مسلمانوں سے پاکستان کی بہت بڑی قیمت ادا کرائی اور کرا رہی ہے۔ ابھی نہ جانے کب تک مسلمانوں کو سود در سود ادا کرنا پڑے گا۔

میری آخری رائے اب یہی ہے کہ ہر مسلمان کو پاکستان کی فلاح و بہبود کی راہیں سوچنی چاہئیں اور اس کے لیے عملی اقدام اٹھانا چاہئیں۔

مجلس احرار اسلام کو ہر نیک کام میں حکومت پاکستان کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے اور خلاف شرع کام سے اجتناب، اصلاحِ احوال کے لیے ایک دوسرے سے مل کر ''الدین النصیحہ'' (دین خیر خواہی کا نام ہے) پر عمل ہونا چاہیے۔ یہ ارشاد ہے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا۔

مجلس (احرار) کا قیام و بقاء بہر حال ایک شرعی امر ہے۔ تبلیغِ اعتقادِ صحیحہ اور تنقیدِ رسومات قبیحہ، اعلائے کلمۃ الحق، اعلان و بیان ختم نبوت و اظہار فضائل صحابہ و اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین مجلس کے فرائض میں سے ہیں۔ خصوصاً اس دور لادینی میں جنس انسانی کی تمام مشکلات کے لیے شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو ہی بطور حل پیش کرنا ہمارا وہ فریضہ ہے کہ اگر ہمیں دار و رسن تک بھی رسائی ہو جائے تو الحمدللہ...... اس لیے مجلس کے قیام بقاء کی بہر حال کوشش رہنی چاہیے۔

اگر دوستوں کو یہ باتیں معقول و مدلل نظر آئیں تو ان بنیادوں پر آئندہ زندگی کی عمارت استوار کریں۔

غریب الدیار

سید عطاء اللہ شاہ بخاری

ماسٹر تاج الدین انصاری کے نام خط خان گڑھ۔ ۲۴؍ دسمبر ۱۹۴۷ء

پاکستان میں نفاذِ اسلام سے فرار کیوں؟

جو لوگ اسلام کے نظامِ حکومت سے دامن کشاں ہیں اور اقتدار نشین ہو کر اسلامی نظام کے قیام سے فرار اختیار کرتے ہیں اور عوام کو اپنی ذہنیت کی اصلاح کے لیے کہتے ہیں' وہ دراصل اسلام پر الزام دھرتے ہیں اور خود اسلام سے تہی داماں ہیں۔ جب سب کچھ اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے تو پھر جس نام سے یہ طاقت حاصل کی گئی ہے' اس سے یہ انحراف کیوں برتا جا رہا ہے؟

اسلام ایک آفاقی اور عالم گیر دین ہے۔ وہ ایک ایسا نظام ہے جو ازل اوّل تا آخر تا بہ قیامِ قیامت ہر انسانی گروہ اور ہر انسانی جماعت کی خوشحالی اور برتری کا ضامن ہے۔ وہ بنیادی سعادتوں اور دنیوی خوش نصیبوں کا توشہ ہے اور ہم اس پر چل کر اپنے لیے، بنی نوع انسان کے لیے اور معاشرۂ انسانی کے لیے صحت مند مستقبل تیار کر سکتے ہیں۔

مسلمان اور موت کا خوف یک جا نہیں ہو سکتے۔ جو لوگ قرآنی نظام کو مشتبہ نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ ان کی بینائی سلب ہو چکی ہے اور وہ اپنی نفسی کوتاہیوں کو اسلام کی کوتاہیوں سے تعبیر کرتے ہیں۔

(صوبائی احرار کانفرنس لائل پور (فیصل آباد) ۳۰ مئی ۱۹۴۸ء)

نام اسلام کا...... کام انگریز کا

ملک بانٹ کر انگریز نے تحریک آزادئ ہند کو جس طرح ختم کیا ہے اس سے فی الحقیقت کوئی تغیر واقع نہیں ہوا کیوں کہ اسے آج نہیں کل جانا تو تھا ہی۔ اس نے سوچا، لاؤ اپنی دوسو سالہ اولاد (معنوی) کو وارث بنا دوں کہ پھر آنا پڑے تو لڑائی جھگڑا نہ ہو اور اب بھی وہ گیا کہاں ہے؟ یہیں اندر موجود ہے اور پردے کے پیچھے بیٹھا ہوا ہے۔ کچھ دنوں تک خوب کھل کھیلے گا۔ مسلم لیگ کی طرف سے پاکستان میں اسلامی حکومت کے قیام کا تصور کہ جس کے نام پر اللہ و رسول اور قوم کو دھوکہ دیا گیا ہے اپنے آپ کو فریب دینے کے سوا اور کچھ نہیں۔

ابھی بہت سا کام باقی ہے۔ ایک زوردار دھکے کی ضرورت ہے۔ تب شاید اطمینان کی کوئی صورت پیدا ہو اور جب تک یہ نہیں ہوتا ہمارے لیے دونوں حالتیں برابر ہیں بلکہ یہ انگریز کی حکومت سے بھی بدتر! کم از کم وہ کفر خالص تو تھا اب نام اسلام کا ہے اور کام انگریز کا۔"

[جولائی ۱۹۴۸ء۔ خان گڑھ، ایک مجلس میں گفتگو]

(روایت: حضرت مولانا سید ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ)

("سواطع الالہام" صفحہ ۱۱۹)

سیاست سے دستبرداری؟

قیامِ پاکستان کے بعد مجلس احرار اسلام کی مجلس عاملہ نے نئے حالات کے تناظر میں اپنی آئندہ پالیسی مرتب کی اور سیاست سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔ مجلس نے اپنی سرگرمیوں کو تبلیغِ دین، اصلاحِ احوال اور دفاعِ پاکستان کے لیے وقف کردیا۔ چنانچہ ۱۲، ۱۳، ۱۴ر جنوری ۱۹۴۹ء کو ''دفاعِ پاکستان احرار کانفرنس'' لاہور میں منعقد ہوئی جس میں پچاس ہزار سرخ پوش احرار کارکنوں نے شرکت کی۔ کانفرنس کے آخری اجلاس میں مجلس عاملہ کی قرارداد پیش کی گئی۔ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے مجلس عاملہ کے اجلاس میں اس قرارداد کے متن سے جزوی اختلاف کیا تھا۔ چونکہ شرکاءِ اجلاس کی اکثریت نے اسے منظور کیا تھا۔ اس لیے حضرت امیر شریعت نے جماعت کے فیصلے کو تسلیم کیا۔ ورنہ آپ کی رائے سیاست سے کامل دستبرداری نہیں صرف انتخابی سیاست سے کنارہ کشی تھی۔ جس طرح ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں آپ نے حصہ نہ لینے کی تجویز دی تھی، لیکن جماعت نے حصہ لے کر نقصان اٹھایا۔ اسی طرح ۱۹۴۹ء میں بھی آپ کی رائے درست تھی۔ چنانچہ سیاست سے کامل دستبرداری کے فیصلے سے جماعت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا۔

حضرت امیر شریعت کی تجویز یہ تھی کہ:

اس وقت مسلم لیگ کی حکومت ہے۔ نیا نیا ملک بنا ہے اور اسے کئی مسائل کا سامنا

ہے۔ خصوصاً انگریزی استعمار کے ایجنٹ قادیانی، پاکستان کے اقتدار پر قبضے کی سازشوں میں مصروف ہیں۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ مجلس احرار اسلام سیاست میں مسلم لیگ سے تصادم کی بجائے مفاہمت کی راہ اختیار کرے، انتخابی سیاست سے عارضی طور پر کنارہ کش ہو کر اپنی تمام تر صلاحیتیں اور توانائیاں عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور پاکستان کے خلاف قادیانی سازشوں کو ناکام بنانے میں صرف کر دے۔

شورش کاشمیریؒ نے شاہ جی کی سوانح میں ان واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے کتاب کے آخر میں لکھا:

''ہم شاہ جی کی باتوں کو مجذوب کی بڑ سمجھتے لیکن اُن کی تمام باتیں سچی ہوتی گئیں۔''

۱۴ر جنوری ۱۹۴۹ء کو کانفرنس کے آخری اجلاس میں حضرت امیر شریعت نے اپنے خطاب میں مجلس عاملہ کی قرارداد کی تائید ضرور کی لیکن ساتھ یہ بھی فرمادیا کہ یہ تمہارے دل کی بات ہے میرے دل کی نہیں۔ شاہ جی کے دل کی بات آئندہ صفحے پر ملاحظہ فرمائیں۔

(مرتب)

دل کی بات

بزرگانِ ملت، برادرانِ اسلام!

کافی عرصے کے بعد آپ حضرات کی خدمت میں مجھے کچھ گزارشات پیش کرنے کا موقع ملا ہے۔ میں ناتواں ہوں، وہ نہیں جو آج سے دو چار برس پہلے تھا۔ اس لیے میری گزارش ہے کہ آپ حضرات اپنی خاموشی سے میری مدد کریں۔ میں زیادہ دیر تک آپ حضرات کا وقت نہیں لوں گا۔ میں آپ سے چند ضروری باتیں کہنا چاہتا ہوں۔

دہلی میں ایک مجذوب چیلی قبر کے آس پاس اکثر یہ مصرعہ دہرایا کرتا تھا:

اس لیے مجھ کو تڑپنے کی تمنا کم ہے

بچے اُس کے پیچھے شور مچاتے، کس لیے؟ لیکن وہ دوسرا مصرعہ زبان پر نہ لاتا۔ لوگ اُسے تنگ کرتے، مگر وہ صرف یہی کہتا "اس لیے مجھ کو تڑپنے کی تمنا کم ہے"۔ ایک دن کچھ نوجوانوں نے اُسے گھیر لیا اور دوسرا مصرعہ سنانے کے لیے مجبور کر دیا۔ عاجز آ کر اُس فقیر نے کہا:

وسعتِ دل ہے بہت، وسعتِ صحرا کم ہے
اس لیے مجھ کو تڑپنے کی تمنا کم ہے

یہ کہا، ایک آہ کے ساتھ تڑپ کر گرا اور سرد ہو کر رہ گیا۔

آپ بھی مجھ سے دل کی بات نہ پوچھو، میں اپنے دل کی بات کہنے نہیں آیا، تمہارے دلوں کی کہنے آیا ہوں۔

کانگریس کے سب سے بڑے لیڈر گاندھی نے کہا تھا کہ ہندوستان کی تقسیم گائے کے دوٹکڑوں کے برابر ہے اور میں اسے کبھی قبول نہیں کروں گا۔ یہ خبر اخبارات میں آئی تو لیگ نے کہا: ''نہیں، دوٹکڑے ہوں گے۔'' اب میں لیگ کا نام ہی کیوں لوں۔ یہ مطالبہ اسی پچاسی فیصد مسلمانوں نے کیا۔

چنانچہ گاندھی کی زندگی میں مونٹ بیٹن کے سامنے پنڈت نہرو اور مسٹر جناح نے ہندوستان کی تقسیم کو قبول کیا، یعنی کانگریس نے گائے کے دوٹکڑے کردیئے۔ بنگال اور پنجاب کی تقسیم کا مطالبہ کانگریس نے کیا۔کون کانگریس؟ نیشنلزم کی مدعی کانگریس، ایک وطن، ایک تہذیب اور ایک ملک کا نعرہ لگانے والی کانگریس، اس کانگریس نے ضلعوں کو بٹوایا۔ تقسیم در تقسیم کو قبول کیا۔ گئو ماتا کے دوٹکڑے ہی نہیں کروائے بلکہ گائے کا قیمہ کر کے اس کے کوفتے بنادیئے۔

سامعین کے بے انتہا قہقہے بلند ہوئے تو آپ نے فرمایا:

''یہ وقت مذاق کا نہیں، نوجوانو! سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت
پیدا کرو، زندہ رہنے کے عزائم سوچو اور سپاہی بنو۔''

اس وقت گردوپیش میں جو تاریک بادل چھائے ہوئے ہیں، نہ آپ ان سے بے خبر ہیں اور نہ میں۔ انہی حالات نے مجبور کیا کہ میں آپ کے سامنے آؤں...... میں جو کہنا چاہتا ہوں وہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ آج سے ایک سال پہلے ۲۴ر دسمبر ۱۹۴۷ء کو مجمل طور پر ایک تحریر کے ذریعے میں نے جماعت کو اپنا پیغام بھیج دیا تھا جو طبع شدہ ہے۔

دسمبر (۱۹۴۷ء) کے آخر میں جب طوفانِ حوادث تھم چکا تو لاہور میں ہماری جماعت کی مجلس عاملہ کا اجلاس ہو رہا تھا۔ میں اس وقت بسترِ مرگ پر تھا۔ مسلسل تین ماہ سے بیمار تھا اور میرے بچنے کی بہت کم امید تھی۔ اس وقت میں نے اپنے دو عزیزوں نواب زادہ نصر اللہ خاں

اور سردار محمد شفیع کی معرفت ماسٹر تاج الدین انصاری کی خدمت میں یہ خط بھیجا تھا۔

مسلم لیگ سے ہمارا اختلاف صرف یہ تھا کہ ملک کا نقشہ کس طرح بنے۔ یہ نہیں کہ ملک نہ بنے بلکہ یہ کہ اس کا نقشہ کیونکر ہو۔ یہ کوئی بنیادی اختلاف نہیں تھا۔ نہ حلال و حرام کا، نہ گناہ و ثواب کا اور نہ مذہب کا۔ وہ تو ایک نظریے کا اختلاف تھا۔ ہم چاہتے تھے کہ پورے چھے صوبے ملیں اور مسلم لیگ بھی چاہتی تھی۔ ہمارا اختلاف صرف مرکز کی علیحدگی پر تھا۔

مسلم لیگ بھی فرقہ وارانہ جماعت تھی اور مجلس احرار بھی۔ مسلم لیگ میں بھی کوئی غیر مسلم شامل نہیں ہو سکتا تھا اور نہ احرار میں کوئی غیر مسلم شامل ہو سکتا ہے۔ بس، اختلاف تھا تو اتنا کہ ہم کہتے تھے کہ آزادی مل جائے، ذرا سنبھل لیں اور اس کے دس سال بعد مرکز سے بھی علیحدہ ہو جائیں گے۔ مگر لیگ کہتی تھی کہ نہیں۔ مرکز کے ساتھ ہمارا کوئی الحاق نہیں رہ سکتا۔ وگرنہ تقسیم ملک کے ہم بھی قائل تھے۔ کرپس فارمولا اب بھی موجود ہے، اس میں تقسیم ملک ہی کا قضیہ ہے۔

پس! اب ہمارا مسلم لیگ سے کوئی اختلاف نہیں، نہ پہلے ہمارے اور ان کے درمیان مذہبی اختلاف تھا نہ اب ہے، نہ خدا اور، نہ رسول کا، نہ کفر و ایمان کا، نہ ہم ولی ہیں اور نہ لیگ والے قطب، اگر لیگ والے گناہ گار ہیں، تو ہم کون سے ولی اللہ ہیں۔ ہمارا اور ان کا اختلاف صرف مرکز سے علیحدگی پر تھا اور داغ کے الفاظ میں یوں کہنا چاہیے:

مدت سے میری ان کی قیامت کی ہے تکرار
بات اتنی ہے وہ کل کہتے ہیں میں آج

بھائی حسام الدین نے آپ کے سامنے جو قرارداد پیش کی ہے، وہ مجلس احرار کی آئندہ پالیسی کی آئینہ دار ہے۔ ہم نے اپنی تیس سال کی کمائی حکومت اور مسلم لیگ کے حوالے کر دی ہے۔

ع..... سپردم بتو مایہ خویش را

پاکستان کی نگہداشت:

مجلس احرار، اب مذہبی اور اصلاحی کاموں میں سرگرمِ عمل رہے گی۔ عقیدۂ ختم نبوت کا تحفظ اس کا بنیادی مسئلہ ہے۔ سیاست اب ہماری منزل نہیں۔ وہ جانے مسلم لیگ اور اُس کا کام۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسلم لیگ کے پاس قوت ہے اور ہم اس قوت سے ڈر گئے ہیں۔ نہیں، نہیں! بلکہ ملک کی ضرورت اور حالات ہمیں مجبور کرتے ہیں کہ ہم متحد ہو کر بغیر کسی اندرونی خلفشار کے پاکستان کی کمزور بنیادوں کی نگہداشت کریں۔ اِن الفاظ سے میں اس قرارداد کی تائید کرتا ہوں۔

اس موقع پر کشمیری رہنما چودھری غلام عباس جنھیں مجلس احرار نے اپنے اجلاس میں شامل ہونے کی دعوت دے رکھی تھی، پنڈال میں داخل ہوئے۔ جیوشِ احرار نے اپنے روایتی انداز میں ان کا استقبال کیا۔ اس دوران ''کشمیر ہمارا ہے'' کے نعرے بھی بلند ہوئے۔ چودھری صاحب کی آمد سے بات دوسری طرف چلی گئی۔ امیر شریعت نے چودھری غلام عباس اور دوسرے نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

آزادیٔ کشمیر:

عزیزو! خدا جانے، آپ کس کشمیر کو لینے کے ارادے کر رہے ہیں یا کس کشمیر کے متعلق سوچتے ہیں؟ اب آپ بھی سن لیں اور چودھری صاحب بھی۔ اصل کشمیر تو تقسیم کے عمل میں آپ اپنے ہاتھ سے دے چکے۔ اگر فائر بندی کی بات نہ ہوتی تو ممکن ہے کوئی بات بن جاتی۔ فرنگی اور ہندو کسی صورت میں بھی آپ کو کشمیر نہیں دینا چاہتے۔ ہاں اگر کبھی انھوں نے ضرورت محسوس کی تو شاید وہ اس مستقل فساد کو ختم کر دیں اور ممکن ہے اس کا کچھ حصہ بھی آپ کے پاس آجائے۔

ورنہ وہ کشمیر جو ذہنوں میں جنت کا نشان ہے۔ جس کے متعلق میری رائے ہے
کہ پروردگار عالم نے آسمانوں پر اپنی موجودگی میں تیار کرا کے اسے زمین پر اتارا اور وہ
جنت کا ایک ٹکڑا ہے۔ اس جنت ارضی میں اب نہیں بلکہ ۱۹۳۰ء سے مسلمانوں پر ظلم
ہو رہا ہے۔ اس زمانے میں ہم مجلس احرار والوں نے اسی کشمیر کے متعلق مسلمانوں سے ایک
بات کہی تھی۔ ہم نے ڈوگرہ شاہی اور ہندوؤں کے مظالم کے خلاف آواز بلند کی
تھی۔ مسلمانوں کو متوجہ کیا تھا کہ کشمیر تمہارا ہے، اسے بچالو اور اس کے مستقبل کو محفوظ کرلو۔ مگر
اس وقت کے رئیس مسلمانوں نے جن کا دخل فرنگی ایوانوں میں تھا ہماری بات نہ سنی۔ لیکن
مجلس احرار اسلام کی اپیل پر آزادئ کشمیر کے لیے چلائی جانے والی پہلی عوامی تحریک میں
پچاس ہزار مسلمان قید ہوئے اور ہمارے بائیس نوجوانوں نے جام شہادت نوش کیا۔ تب
ہماری بات مان لی ہوتی تو آج کشمیر کا نقشہ یوں نہ ہوتا۔

رئیسوں کو تو پہلے بھی کچھ نہیں ہوا اور اب بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا مگر جذبۂ جہاد
سے سرشار مسلمان روز اول سے اب تک قربانی دیتے آئے ہیں۔ انھیں کی جانیں اس
جنت نظیر کی آزادی کی جنگ میں کام آئی ہیں:

رتبہ شہید ناز کا گر جان جائیے
قربان جانے والے کے قربان جائیے

(خطاب: دفاع پاکستان احرار کانفرنس ۱۴ ر جنوری ۱۹۴۹ء، احرار پارک دہلی دروازہ لاہور)

("حیاتِ امیر شریعت" جانباز مرزا، صفحہ ۳۲۷)

اسلام اور پاکستان

مسلم لیگی رہنما راجہ غضنفر علی نے گزشتہ برس راولپنڈی میں کہا کہ:

''وہ زمانہ لد گیا جب بخاری قرآن سنا سنا کر لوگوں کو اُلو بنایا کرتا تھا۔
اب پاکستان بن گیا ہے۔ یہاں ان باتوں کی کوئی گنجائش نہیں۔''

میں نے جواباً کہا تھا:

پاکستان میں حکمرانوں کے ہاتھوں دین کا جو انجام ہوگا وہ انتہائی بھیانک اور شرمناک ہوگا۔ میں نے تو پہلے بھی کہا تھا کہ ہندوستان میں مسلمان نہیں رہنے دیا جائے گا اور پاکستان میں اسلام نہیں رہنے دیا جائے گا۔ لیکن اگر اسلام نہ رہا تو پاکستان کہاں ہوگا؟

پاکستان میں دین کا بس اللہ ہی حافظ ہے۔ یہاں فرنگی کے جانشین فرنگی سے زیادہ دین دشمن ہیں۔ شاید کچھ مدت بعد اس ملک میں دین اسلام کا لفظ بھی لوگوں کی سمجھ میں نہ آسکے۔ آثار اچھے نہیں ہیں۔

(ملتان، مارچ ۱۹۴۹ء)

(''سواطع الالہام'' مرتب: مولانا سید ابوذر بخاریؒ، مارچ ۱۹۵۵ء، ص ۱۲۹)

(ہفت روزہ ''چٹان'' لاہور، سالنامہ، جنوری ۱۹۶۲ء)

پاکستان میرا ملک ہے، میں اس کا وفادار ہوں

تقسیم سے پہلے ایک مسئلہ پر میں نے لیگ سے دیانتدارانہ اختلاف کیا۔ صرف ایک سیاسی مسئلہ کا اختلاف تھا، رائے کی ٹکر تھی۔ برادری کے دو بھائیوں کے درمیان ایک سوال پر بحث تھی۔

میرے دل میں چند خدشات تھے جن کے لیے وقت کی سیاسی فضا کوئی اطمینان بہم نہ پہنچا سکی۔ قوم نے فیصلہ کر دیا اور جس دیانت داری سے ہم نے اختلاف کیا تھا اسی دیانتداری سے ہم نے برادری کے فیصلے کو تسلیم کر لیا۔ اب یہ ملک میرا ہے، میں اس کا وفادار شہری ہوں۔ جنھوں نے جانا تھا وہ جا چکے ہیں۔ میں یہاں ہوں اور یہیں رہوں گا۔ یہاں تو میری جنگ کا اختتام ہے اور وہاں جاؤں تو ابھی میری جنگ کا آغاز ہوگا۔"

(روزنامہ "آزاد" لاہور، ۱۴ر نومبر ۱۹۴۹ء، صفحہ اول)

دفاعِ پاکستان

کشمیر پاکستان کا جگر ہے۔

رضا کارو! دفاع پاکستان کے لیے فوج میں بھرتی ہو جاؤ۔ ہم اپنی خدمات غیر مشروط طور پر حکومتِ پاکستان کے سپرد کرتے ہیں۔"

(روزنامہ "آزاد" لاہور، ۱۴ر نومبر ۱۹۴۹ء، لاہور میں خطاب)

"احرار رضا کارو! جاؤ قومی رضا کاروں کی نیشنل گارڈز میں بھرتی ہو جاؤ۔ اب گلی کوچوں میں چپ راست کا وقت نہیں رہا۔ فوجی ٹریننگ حاصل کر کے ملک وملت پر جان قربان کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ مجلس احرار کا سرمایہ تم ہو، میری ساری عمر کی کمائی تم ہو۔ میں تمہیں قوم کے سپرد کرتا ہوں اور خوش ہوں کہ ہماری عمر بھر کی کمائی صحیح کام آئی۔ فوجی وردی میں ملبوس ہو کر رائفل پکڑو اور دین وملت کی پاسبانی کے لیے جان قربان کرنے کی تربیت حاصل کرو۔"

(روزنامہ "آزاد" لاہور، ۲۸ر نومبر ۱۹۴۹ء صفحہ دوم)

پاکستان کے رہنماؤ

اگر پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلامی سلطنت بنادیا گیا تو یادرکھو اسلامی سلطنت میں کوئی انسان دکھی نہ ہوگا۔یہ سلطنت غیوراور بہادرمجاہدوں اور درویشوں کی بستی ہوگی۔کوئی دشمن اسلام' پاکستان کی طرف آنکھ اٹھانے کی جرأت نہ کرسکے گا۔''اسلامی پاکستان'' کے اندر مسائل اگر ہوں گےتو دین کی برکت سے خودبخود ختم ہوجائیں گے اور مستقبل بھی پریشان کن نہ ہوگا۔

خدا یقیناً نیک نیتوں کی مدد کرتا ہے۔بہتان طرازی سے پرہیز کرنا ورنہ خدا کے آگے جواب دہ ہوگے۔عزت،ذلت،موت،حیات سب اللہ کے اختیار میں ہیں۔شیطان کو شکست دو اور اللہ کے فوجی بن جاؤ۔پھر دیکھو کیا ہوتا ہے۔اقتدار کے لیے جھوٹے وعدے مت کرنا۔کرسیٔ اقتدار بہت ہی بے وفا ہے۔مسکرا مسکرا کر ایسے انداز میں جھوٹ بولنے والے خوشامدی جو سچے دکھائی دیں' ہمیشہ جھوٹے اور خودغرض ہوتے ہیں۔خدا ان سے پاکستان کو محفوظ رکھے۔

(نواب افتخار حسین ممدوٹ سے گفتگو۔ملتان ۱۹۵۰ء)

سیاسی وشہری حقوق سے نہیں، الیکشن سے دستبرداری

بعض لوگ ایک غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ مجلس احرار اسلام چونکہ الیکشن بازی سے الگ ہوگئی ہے۔ لہٰذا ملکی معاملات میں اب دخل اندازی نہیں کرے گی۔

گویا ان کا مطلب ہے کہ ہم لوگ مرچکے ہیں، یا ہم نے ملک چھوڑ دیا ہے! نہیں اور ہرگز ایسا نہیں۔

احرار کا وجود اور کردار تاریخ میں ہمیشہ باقی رہے گا۔ سیاستِ افرنگ کے فریب خوردہ اسیر کان کھول کر سن لیں!

ہم نے اپنے ملک اور اپنے حقوق سے قطعاً کنارا کشی نہیں کی۔ اور نہ ہی ملک میں رہتے ہوئے کوئی شریف انسان ایسا کر سکتا کہ وہ اپنے حقوق شہریت زائل کر دے۔ پاکستان ہمارا ملک ہے اور ہمیں ایک آزاد شہری کی حیثیت سے یہاں رہنا ہے۔ بات کرنا ہے، صحیح راستہ دکھانا اور غلط روی پر ٹوکنا ہے۔ گردوپیش کے مسائل وحالات سے ہم چشم پوشی کر سکتے ہیں نہ لاتعلق رہ سکتے ہیں۔ اس ملک کی تعمیر میں ہمارا خون پسینہ ہے۔ ہمیں تمام ملکی معاملات پر اپنی رائے کا برملا اظہار کرنا ہے۔ سیاست اور معیشت وتجارت میں حصہ لینا ہے اور ملازمتوں میں اپنا حق بھی وصول کرنا ہے۔ ہمارے بچوں نے یہیں تعلیم حاصل کرنی ہے اور تعلیم کے بعد ملازمت بھی ان کا بنیادی حق ہے۔ ملکی معاملات میں ہمارا بھی اتنا ہی دخل

ہوگا جتنا کسی اور کو دعویٰ ہوسکتا ہے۔ ہم اپنا حق شہریت پورا پورا استعمال کریں گے اور کسی قیمت اس سے دستبردار نہیں ہوں گے۔

احرار کا قافلہ رکا نہیں، ہم نے صرف جدوجہد کا رخ بدلا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ سول نافرمانی، ڈائریکٹ ایکشن یا الیکشن کے ذریعے ہی اپنے حقوق حاصل کیے جائیں بلکہ نہایت پُر امن رہتے ہوئے اور بہت سے معقول ذرائع سے بھی یہ حقوق حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ مجلس احرارِ اسلام کو اب ملکی سیاست میں نئی حکمتِ عملی کے ساتھ ایک فعال کردار ادا کرنا ہے۔

خطاب: تحفظ ختم نبوت احرار کانفرنس، باغ لانگے خاں ملتان، ۶/ صفر ۱۳۷۰ھ، ۱۷/ نومبر ۱۹۵۰ء

صدارت: حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

(''خطباتِ امیر شریعت''، جانباز مرزا، صفحہ ۹۵، ۹۶)

قوم کا فیصلہ قبول

تقسیم ہند پر مسلم لیگ اور احرار کا اختلاف تھا، لیکن یہ اختلاف دلوں کا نہیں، دماغوں کا تھا۔ ہم نے دیانت داری اور خلوص کے ساتھ اختلاف کیا۔ اور عقل وفکر کی روشنی میں الگ راستہ تجویز کیا۔ مسلم لیگ بھی خلوصِ قلب سے ایک ذہن کے ساتھ دوسرے راستے پر گامزن رہی۔ قوم نے ایک قبول کیا، دوسرا مسترد کر دیا۔ ہم نے قوم کا فیصلہ مان لیا کہ شریف لوگوں کا یہی کام ہوتا ہے۔

مسلم لیگ نے جس پاکستان کو حاصل کرنے کی خاطر تمام جماعتوں کو مٹایا، اب اُسے مٹا کر کیا کرنا چاہتے ہو؟ لاکھوں انسانی جانیں قربان کر کے واہگہ کے اس پار ٹھکانا بنایا ہے، اب کیا ارادہ ہے؟ اس سے آگے تو کوئی ٹھکانا ہی نہیں۔ بے اعتمادی اچھی نہیں، وقت کی نزاکت کو پہچانیے اور اعتماد سے کام لیجیے۔ اللہ کرے کہ دشمن کمینہ نہ ہو۔

(انجمن حمایت اسلام لاہور کے اٹھانوے سالانہ جلسہ سے خطاب، ۳۰ / اپریل ۱۹۵۱ء)

صدارت: میاں ممتاز محمد خان دولتانہ (وزیر اعلیٰ پنجاب)

(ہفت روزہ ''نظامِ نو'' سرگودھا، ۱۲/ مارچ ۱۹۵۵ء)

(''نوادراتِ امیر شریعت''، سید منظور احمد شاہ حجازی'' ص ۵۹)

لیگ سے اختلاف و اتفاق

تقسیم سے پہلے لیگ کے ساتھ ہمارے بہت سے اختلافات تھے۔ ہم نے قوم کے سامنے اپنا نظریہ پیش کیا۔ لیگ نے اپنا، قوم نے لیگ سے اتفاق کیا اور لیگ قوت حاکمہ بن گئی۔ مدمقابل پارٹی نہ رہی۔ ہم بہر حال رعایا بن گئے۔ ہم لوگ شروع سے ملکی معاملات کے ساتھ ساتھ کچھ دینی مقاصد بھی رکھتے تھے اور اب تک بفضلہٖ تعالیٰ رکھتے ہیں۔ موجودہ صورت میں ان دینی مقاصد کو حاصل کرنے کی کوئی اور صورت اگر ہو سکتی ہے تو ارشاد فرمائیں؟ جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔ اور اب کسی صورت میں اس کو بدلنا قومی ہلاکت و تباہی ہے۔ اصلاح احوال سے انکار نہیں وہ بھی ہم کر رہے ہیں مگر مخالف بن کر نہیں۔ موجودہ وقت میں اس فتنۂ مرزائیت کے مقابل میں جو کامیابی ہم کو حاصل ہو رہی ہے وہ باہمی تعاون کا ہی نتیجہ ہے۔ بصورت دیگر...... منکر مئے لودن وہمرنگ مستان زیستن...... مشکل ہے۔ لیگ کی مخالفت فی نفسہٖ کوئی کار خیر نہ تھا، نہ ہے۔ کسی مقصد عالی کے لیے مخالفت و موافقت معنیٰ رکھتی ہے۔ عہدِ فرنگی میں اختلاف بامعنیٰ تھا۔ اب اتفاق سے ہی اصلاح احوال کی توقع ہو سکتی ہے۔ ورنہ سرخ پوش، انجمن وطن اور دوسری جماعتیں کہاں تک اپنے مقاصد میں کامیاب ہو رہی ہیں......

غریب الدیار

سید عطاء اللہ بخاری

(۲۵ر جون ۱۹۵۱ء)

(مولوی نذیر حسین مرحوم، صدر مجلس احرار اسلام پنوں عاقل، سندھ کے نام خط)

(ماہنامہ "نقیبِ ختم نبوت" ملتان، "امیر شریعت نمبر" دسمبر ۱۹۹۲ء جلد اوّل، ص ۷۶، ۷۷)

تحفظِ ختم نبوت کے لیے مسلم لیگ کی حمایت

ملک کی آزادی ایک مقصد تھا اور اس کے حصول کے بہت سے ذرائع تھے۔ ہم نے اقوامِ ملک کے اشتراکِ عمل کو مناسب سمجھتے ہوئے انگریز سے جنگ جاری رکھی۔ بالآخر وہ مقصد ہماری جدوجہد اور قربانیوں کی بدولت کسی نہ کسی صورت پورا ہوگیا اور ملک آزاد ہوگیا۔

ایسے ہی تحفظِ ختم نبوت کا مسئلہ ایک اہم ترین مقصد ہے۔ دین کا سارا نظام اسی ایک مدار و محور پر چل رہا ہے۔ اس کے حصول کے بھی مختلف ذرائع ہیں۔ جب ہم نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ آئندہ ہم اپنی سرگرمیوں کو تبلیغی مقاصد کے لیے وقف کردیں گے تو اب اس سلسلے میں جو فرد یا جماعت بھی ہم سے تعاون کے لیے آمادہ ہو، ہم بھی اس سے تعاون کریں گے۔ ہمیں اپنے مقصد کے حصول کے لیے جو ذریعہ بھی اختیار کرنا پڑا، اس سے گریز نہیں کریں گے۔

مجلس احرارِ اسلام کے کارکن اپنی پوزیشن کو سمجھیں۔ آج مختلف جماعتوں میں آپس کی لڑائی اصولوں کی نہیں، یہ بھائیوں کی لڑائی ہے جو جائیداد کی تقسیم پر لڑ رہے ہیں۔ مجلس احرارِ اسلام اس لڑائی میں شریک نہیں ہوگی۔ ہم مسلم لیگ کی مخالفت نہیں کریں گے۔ اگر مسلم لیگ کی حمایت سے مرزائیت پر ضرب لگتی ہے تو یہ نقصان کا سودا نہیں۔ جب مسلم لیگ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے گی تو وہ احرار کی عظیم الشان فتح ہوگی۔

احرار کارکنو! تحفظِ ختم نبوت کو معمولی کام نہ سمجھو۔ یہ ایک عظیم تر مقصد ہے۔ اس کے حصول کے لیے سب کو ساتھ لے کر جدوجہد کرتے رہو۔ کامیابی آپ ہی کو ملے گی۔ (ان شاء اللہ)

مندوبین احرارِ اسلام پنجاب سے خطاب، ملتان، ۲۸؍جنوری ۱۹۵۱ء

(روزنامہ ''آزاد'' لاہور، ۳۰؍جنوری ۱۹۵۱ء)

اسلامی نظامِ حکومت کیوں فٹ نہیں؟

بعض مردہ دل لوگ معترض ہیں کہ دورِ حاضر کے جدید حالات میں اسلامی نظامِ حکومت فٹ نہیں بیٹھتا۔ اس کی ایک دلچسپ مثال کچھ یوں ہے کہ ایک لائق ترین درزی نے ایک شخص کے جسمانی اعضاء و تناسب کے مطابق قمیص بنائی۔ سوئے اتفاق سے اس شخص پر فالج گر گیا۔ اعضاء کا تناسب جاتا رہا۔ ایک ہاتھ آگے کو لمبا ہو گیا، دوسرا بازو پیچھے کو مڑ گیا۔ کمر کبڑی ہو گئی۔ چھاتی اندر کو دھنس گئی۔ ٹانگیں ٹیڑھی ہو گئیں...... اب وہ قمیص میں عیب بتاتا ہے کہ فٹ نہیں۔ درزی پر بھی نکتہ چینی کرتا ہے...... آپ ہی انصاف کیجیے کہ قمیص فٹ نہیں یا یہ منحوس خود ''ان فٹ'' ہو گیا ہے۔

اگر انسان اپنی فطرت کے مطابق رہنا اور جینا چاہے تو اسلام سے بہتر کوئی قانونِ حیات اور نظامِ حکومت نہیں۔

اسلامی نظامِ حکومت پر حرف گیری کرنے والو! دراصل تمہارے منہ کا ذائقہ صفراوی بخار سے تلخ ہو چکا ہے اور تمہیں میٹھی چیز بھی کڑوی لگتی ہے۔ دوا اور غذا میں تلخی نہیں بلکہ تمہارے منہ کا ذائقہ خراب ہے۔

تو خود حدیث مفصّل بخواں ازیں مجمل

(ملتان ۱۹۵۸ء)

(فرموداتِ امیر شریعت، حکیم مختار احمد الحسینی، صفحہ ۶۲)

(ماہنامہ ''نقیبِ ختم نبوت'' ملتان، ''امیر شریعت نمبر'' دسمبر ۱۹۹۲ء جلد اوّل، ص ۱۷۵)

چشم پوشی

تم میرے بارے میں جو چاہو سوچ لو۔ مسلمانوں کا شعار ہو گیا ہے کہ وہ برائیاں عقاب کی آنکھ سے چنتے اور صبا کی رفتار سے پکڑتے ہیں۔ کبھی کبھی نیکیوں پر بھی نگاہ کر لیا کرو! تمہاری فطرتیں اس سے خوبصورت ہوتی چلی جائیں گی۔ عیبوں پر پردہ ڈالنا، عفوودرگزر اور چشم پوشی ربانی صفت ہے۔ تم بھی چشم پوشی سے کام لیا کرو۔

(ہفت روزہ ''چٹان'' لاہور، بیادِ امیر شریعت، سالنامہ جنوری ۱۹۶۲ء)

وفاداری کے طالب

میں نے جو کچھ کیا، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کیا۔ مجھے ایک لحظہ کے لیے بھی اپنی کسی حرکت پر ندامت نہیں۔ میرا دماغ غلطی کر سکتا ہے لیکن میرے دل نے کبھی غلطی نہیں کی۔ مجھ سے وفاداری کا ثبوت مانگنے والے پہلے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفاداری کا ثبوت دیں۔

میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو یہ صدا دیتے پھریں کہ ہم توشۂ وفاداری لیے پھرتے ہیں۔ میری انگلی پکڑ کر اپنے ساتھ لے چلو اور جس مقتل میں چاہو مجھے ذبح کر دو ایسا کبھی نہیں ہوگا، ہرگز نہیں ہوگا۔ میں خوش ہوں، میری خوشی بے کراں ہے کہ اس ملک سے انگریز نکل گیا۔ میں دنیا کے کسی حصے میں بھی سامراج کو نہیں دیکھ سکتا۔ میں اس کو قرآن و اسلام کے خلاف سمجھتا ہوں۔

میں ان لوگوں میں بھی نہیں جو انسانی ضمیر کی سوداگری کرتے ہیں۔ میں اس شخص کو دھوپ چھاؤں کی اولاد سمجھتا ہوں جو قوم کو بیچتا پھرے، ملک سے غداری کرے اور جس ہنڈیا میں کھائے اسی میں چھید کر ڈالے۔

میں نے صرف ایک اللہ کے سامنے جھکنا سیکھا ہے۔ میں ان لوگوں کا وارث نہیں جنھوں نے درباروں کی دہلیزیں چاٹی ہیں۔ میں ان کا وارث ہوں جو شہادت کے راستہ میں سروں کو ہتھیلی پر لیے پھرتے ہیں۔ میں نے جو کچھ کہا اس پر میرا ضمیر مجھے کسی بھی لمحہ طعن نہیں کرتا۔ اللہ شاہد ہے میں نے کچھ بھی اپنے ذاتی مفاد کے لیے نہیں کیا۔

(ہفت روزہ ''چٹان'' لاہور، بیادِ امیرِ شریعت، سالنامہ جنوری ۱۹۶۲ء)

پاکستان کی حفاظت

یہ درست ہے کہ ہم نے مسلم لیگ کے مجوزہ پاکستان کی مخالفت کی تھی۔ ہم نے جو صحیح سمجھا وہی کہا اور وہی کیا۔ ہمارا ضمیر اس وقت بھی مطمئن تھا اور آج بھی شرمندہ نہیں۔

اب پاکستان بن چکا ہے۔ یہ ہمارا وطن ہے اور ہمیں اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی تعمیر اور خدمت میں جُت جانا چاہیے۔

یہ قطعۂ زمین ہم نے بے پناہ قربانیوں کے بعد حاصل کیا ہے۔ تیرہ سو سال میں آج تک کسی نے آزادی کے لیے اتنی قیمت ادا نہیں کی جتنی ہمیں کرنی پڑی ہے۔ اب اس بیش قیمت ملک کو ہر قیمت پر بچانے کے لیے ہمیں تیار رہنا چاہیے۔

میں کسی سے مرعوب ہو کر نہیں بلکہ پوری آزادی سے کہتا ہوں کہ دفاعِ وطن کے لیے تیار ہو جاؤ اور جو وطن کا غدار ہے اُسے کیفرِ کردار تک پہنچاؤ۔

پاکستان شکستہ دل مسلمانوں کی آواز ہے۔ پاکستان بننے پر ہمارے تمام اختلافات ختم ہو گئے۔ پاکستان ہمارا وطن ہے، اس کی سلامتی، اس کی ترقی اور خوشحالی کے لیے انتھک محنت ہم میں سے ہر ایک کا ایمان ہونا چاہیے۔

(لاہور، ۱۹۴۸ء)

پاکستان کسی چار دیواری کا نام نہیں۔ اگر ہماری زندگی مقتضیات سے عبارت ہے تو پاکستان بھی آپ سے کچھ تقاضا کرتا ہے۔ جنگ اچھی چیز نہیں، لیکن جب گلے پڑ جائے تو پھر مقابلہ کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اگر پاکستان پر جنگ مسلط کی گئی تو ''بوڑھا بخاری'' بھی دشمن کے مقابلے میں میدانِ جنگ میں موجود ہوگا۔ میری تمنا ہے کہ بستر کی بجائے میدانِ جنگ میں جان اللہ کے سپرد کروں۔

[دفاعِ پاکستان احرار کانفرنس، موچی دروازہ لاہور، ۲۱ ر اگست ۱۹۵۱ء]

(زیرِ صدارت: خلیفہ شجاع الدین، سپیکر پنجاب اسمبلی)

(''حیاتِ امیرِ شریعت''، جانباز مرزا، ص ۳۳۶، ۳۳۷)

''میرے شب و روز اسی تمنا میں گزرتے ہیں کہ میری قوم ایک ناقابل تسخیر قلعہ بن جائے۔ جنگ ہو یا نہ ہو آپ کو بہر حال دفاعِ پاکستان کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے آپ کو ایک نعمت دی ہے اب اس کی بے قدری نہ کریں۔''

(روزنامہ ''آزاد'' لاہور، ۷ ر ستمبر ۱۹۵۱ء، صفحہ اول)

۱۹۴۷ء سے پہلے ہماری پوزیشن اور تھی اور ۱۹۴۷ء کے بعد اب ہماری پوزیشن کچھ اور ہے۔ پہلے ہم انگریز کے غلام تھے۔ وہ حاکم تھا اور ہم محکوم تھے۔ وہ محافظ تھا اور ہم اُس کے معاون تھے اور غلامی کے اس دور میں انگریزی محافظت کے باعث ہم بہت کچھ بے فکر ہو گئے تھے اور یہ کچھ ہم ہی سے مخصوص نہیں بلکہ ہر غلام قوم یوں ہی ہو جایا کرتی ہے لیکن اب ہم آزاد ہیں۔ اب ہمارا محافظ انگریز نہیں بلکہ ہم خود ہیں۔ اب یہ ملک ہمارا ہے اور ہم اس کے مالک ہیں۔ اب پولیس ہم ہی ہیں، فوج بھی ہم ہیں، حاکم بھی ہم ہیں اور محافظ بھی ہم ہیں۔

اب ہمیں اپنی حیثیت دیکھنی چاہیے اور بدلی ہوئی حالت کے ساتھ اپنے فکر کو بدلنا

چاہیے۔ ہماری سرحد صرف ایک نہیں۔ سرحد صرف ہندوستان کے ساتھ ہی نہیں بلکہ ہماری سرحد ایران کے ساتھ بھی ہے، افغانستان کے ساتھ بھی ہے اور سرحد کا کیا ہے؟ جاپان اور امریکا کی کون سی سرحد ملتی ہے۔ جرمن اور انگلستان کی کون سی سرحد جڑتی تھی۔ یہ نہ خیال کرو کہ جنگ کا خطرہ صرف سرحدی ملکوں سے ہی ہے۔

اب ہم آزاد ہیں اور میری یہ حتمی رائے ہے کہ آزاد ملک کا کوئی دوست نہیں ہوتا۔ آزاد ملک پر چاروں طرف سے نگاہیں پڑتی ہیں۔ ہر حریص، لالچی، طماع، سونے چاندی کا بھوکا، زمین کا بھوکا، آزاد ملک پر حریصانہ نظر ڈالتا ہے۔

یہ مت سوچیے کہ ہماری سرحد ننگی پڑی ہے۔ سرحدیں کپڑوں سے نہیں خون سے ڈھانپی جاتی ہیں۔ جہاں مجاہدین کا خون گرتا ہے وہاں سرحد بن جاتی ہے اور خون جب گرتا ہے تو وہ آگے بہتا ہے، پلٹتا نہیں۔

آپ یہ مت سوچئے کہ ہماری فوج کتنی ہے اور کیسی ہے؟ یہ مت خیال کریں کہ ہمارے پاس اسلحہ کتنا ہے اور کیسا ہے؟ یہ ہمارا فریضہ نہیں۔ ہمارا فریضہ یہ ہے کہ اپنے فکر کو بدلیں اور وقت کی ضرورت کے مطابق سرگرمِ عمل ہو جائیں۔ یہ میری رائے ہی نہیں بلکہ مستقل نظریہ ہے کہ صرف فوج ہی کسی ملک کو نہیں بچا سکتی اور نہ ہی کسی ملک کی شکست و فتح کا تمام دارومدار فوج پر ہے بلکہ کسی ملک کے عوام اور اس میں بسنے والی قوم پر ہے۔ بزدل قوم کو بہادر سے بہادر فوج بھی نہیں بچا سکتی اور بہادر قوم کو جری سے جری لشکر بھی مغلوب نہیں کر سکتا۔ آپ کسی جگہ دس ہزار زنخوں کی بستی بسا دیں اور پولیس ان کی حفاظت کے لیے متعین کر دیں تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ پولیس ان کی حفاظت کر سکے گی۔ میں تو کہتا ہوں کہ خود وہ پولیس ہی چند دنوں بعد ایسی ہو جائے گی اور وہ مردانہ تھانہ بھی خود زنانہ تھانہ بن جائے گا۔

یقین جانیے: حکومت کی رعایا نکمی ہو تو اس کو بہتر سے بہتر فوج بھی نہیں بچا سکتی۔ فوج تو صرف اس قوم کو بچا سکتی ہے جس کے دس کٹ کر گریں تو چالیس ان کی جگہ لینے کے

لیے تیار کھڑے ہوں۔

زندہ رہنے والی قوم کا یہ جذبہ اور یہ عالم ہوا کرتا ہے۔ میں آپ سے یہی چاہتا ہوں۔ اسلام یہی چاہتا ہے، قرآن یہی چاہتا ہے۔ بزدل اور جذبۂ قربانی سے عاری قوم کی حفاظت نہیں کی جا سکتی۔ جری سے جری فوج اور بہتر سے بہتر اسلحہ کسی بزدل قوم کو نہیں بچا سکتا۔ لیکن دلیر قومیں جری سے جری فوجوں کو پچھاڑ دیتی ہیں۔

(خطاب: احرار ختم نبوت کانفرنس، کراچی، ستمبر ۱۹۵۱ء)

پاکستان ہم نے ہزاروں بہنوں، بیٹیوں اور لاکھوں کڑیل نوجوانوں کا مچلتا ہوا خون پیش کر کے حاصل کیا ہے۔ ساڑھے تیرہ سو سال کی انسانی تاریخ اٹھا کر دیکھ لو، کوئی سودا بھی اتنا مہنگا نہیں چکایا گیا لیکن اب اس کی حفاظت اسی طرح کرنی ہوگی جس طرح بیش بہا قیمتی قربانیاں دے کر حاصل کیا ہے۔ میں آپ کے مقابلے میں اگرچہ بوڑھا ہو چکا ہوں لیکن باطل کو سرنگوں کرنے کے لیے میری رگوں میں اب بھی جوان خون دوڑ رہا ہے۔

(روزنامہ ''آزاد'' لاہور، یکم اکتوبر ۱۹۵۱ء، صفحہ اول)

تم میری رائے کو خود فروشی کا نام نہ دو۔ میری رائے ہار گئی اور اس کہانی کو یہیں ختم کر دو۔ پاکستان نے جب بھی پکارا۔ واللہ باللہ میں اس کے ذرے ذرے کی حفاظت کروں گا۔ مجھے یہ اتنا ہی عزیز ہے جتنا کوئی اور دعویٰ کر سکتا ہے۔ میں قول کا نہیں عمل کا آدمی ہوں۔ اس طرف کسی نے آنکھ اٹھائی تو وہ پھوڑ دی جائے گی۔ کسی نے ہاتھ اٹھایا تو وہ کاٹ دیا جائے گا۔ میں اس وطن اور اس کی عزت کے مقابلے میں اپنی جان عزیز رکھتا ہوں نہ اولاد۔ میرا خون پہلے بھی تمہارا تھا اور اب بھی تمہارا ہے۔

(دفاع پاکستان احرار کانفرنس لاہور ۱۹۵۲ء)

اب ہم آزاد ہیں اور میری یہ حتمی رائے ہے کہ آزاد ملک کا کوئی دوست نہیں ہوتا۔ آزاد ملکوں پر چاروں طرف سے نگاہیں پڑتی ہیں۔ ہر لالچی طماع، سونے چاندی کا بھوکا اور زمین کا بھوکا آزاد ملک پر حرص کی نگاہ ڈالتا ہے۔ یہ مت سوچئے کہ ہماری سرحد ننگی پڑی ہے۔ سرحدیں کپڑوں سے نہیں خون سے ڈھانپی جاتی ہیں۔ جہاں مجاہدوں کا خون بہتا ہے وہاں سرحد بن جاتی ہے۔ جنگ ہو یا نہ ہو، آپ کو بہر حال تحفظِ پاکستان کے لیے ہر وقت تیار رہنا چاہیے۔

(دفاع پاکستان احرار کانفرنس۔ کراچی ۱۹۵۲ء)

مرزائیوں کا عقیدہ ہے کہ موجودہ ملکی تقسیم غلط ہے۔ یہ تقسیم ختم کرانے اور دونوں ملکوں کا باہمی افتراق دور کرانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ اس عارضی تقسیم کو کسی نہ کسی طرح ختم کیا جائے اور ہندو پاکستان کو پھر اکھنڈ ہندوستان بنایا جائے گا جو آزادی ایک لاکھ ماؤں، بہنوں کی عزت و آبرو قربان کر کے، دس لاکھ مسلمانوں کا خون بہا کر اور ایک کروڑ مسلمانوں کی خانہ بربادی کے بعد حاصل کی گئی ہے۔ اس کو عارضی آزادی سمجھنے والا ملک و ملت کا بدترین دشمن نہیں تو اور کیا ہے؟

آپ ہی بتائیں کہ کیا ہماری یہ قربانیاں عارضی ہیں؟ کیا ہم ملک وقوم کے ایسے غدار اور ایسی ملکی وملی غداری کو برداشت کر سکتے ہیں؟...... قطعاً نہیں...... جس طرح ملک و ملت سے غداری کرنے والا شخص ہماری نظروں میں مجرم ہے۔ اسی طرح ناموسِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ڈاکہ زنی کرنے والا حضور پُر نور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے کھلی بغاوت کر کے اپنے آپ کو نبی کہنے والا اور پھر اس جھوٹے اور چال باز نبی کی امت اسلامی سلطنت پاکستان میں اس طرح اسلام، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے خلاف تبلیغ کرے تو

ہم اُسے کیسے برداشت کر سکتے ہیں۔

یہ بات پاکستان کے آئین میں اب ضرور آنی چاہیے کہ پاکستان میں اسلام کے علاوہ اور کسی بھی مذہب کی تبلیغ حرام ہے۔ ملک اسلام کے نام پر لیا گیا ہے اور تبلیغ مرزائیت کی؟ بالکل ایسی بات ہے کہ پاکستان دوقومی نظریے کی بنیاد پر الگ ملک بنایا گیا ہے۔ اب اگر پاکستان میں قائداعظم کی بجائے گاندھی جی کی تعریفیں گائی جائیں اور مسلم لیگ کی جگہ کانگریس کی حکومت کے لیے کوشش کی جائے تو جس طرح یہ ایک مکمل بغاوت ہے؛ اسی طرح پاکستان میں کسی بھی دھرم، مذہب اور ازم کی تبلیغ اسلام اور پاکستان سے غداری و بغاوت کے مترادف ہے۔

(خطاب: احرار ختم نبوت کانفرنس، چوک یادگار پشاور۔ مئی ۱۹۵۲ء)

پاکستان مجھے ہر چیز سے عزیز تر ہے

''ہم نے دس لاکھ مسلمانوں کا خون دے کر اور ایک کروڑ مسلمانوں کو بے گھر کر کے ایک آزاد وطن حاصل کیا ہے۔ اس کی آزادی ہر چیز پر مقدم ہے۔ ہم پاکستان کو ایک مستحکم اور ناقابل تسخیر ملک دیکھنا چاہتے ہیں، جو داخلی اور خارجی دشمنوں سے محفوظ ہو۔

اس ملک کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ ہے۔ جس نے آج سے چالیس سال قبل ایک نعرہ لگایا تھا وہ نعرہ تھا مسلمانوں کی سربلندی کا۔ آہستہ آہستہ ایک دور آیا کہ مسلم لیگ نے اعلان کیا کہ وہ اس برصغیر میں مسلمانوں کے لیے ایک آزاد وطن چاہتی ہے، اس میں شک نہیں کہ مجلس احرار نے اس نظریہ سے دیانت دارانہ اختلاف کیا۔ ہم نے جب یہ سمجھا اور محسوس کیا کہ قوم نے ایک فیصلہ دے دیا ہے اور وہ فیصلہ ہے قیامِ پاکستان کا، تو ہم نے اس مطالبہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔

یہ وطن جس کی خاک کا ہر ذرہ مجھے عزیز ہے، ہر چیز سے عزیز تر ہے۔ اس کی آزادی، سلامتی اور استحکام جزوِ ایمان ہے۔ پاکستان کی آزادی کے لیے کروڑوں عطاء اللہ شاہ بخاری قربان کیے جا سکتے ہیں، لیکن میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ میرے وطن کی آزادی پر کوئی آنچ آئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اب جب کہ پاکستان بن چکا ہے۔ اس کی حفاظت ہر مسلمان کا جزوِ ایمان ہونا چاہیے۔ میں پاکستان کو داخلی دشمنوں سے محفوظ کرنے کا ہر قیمت

پر تنبیہ کر چکا ہوں۔ ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ کوئی گروہ یا ٹولہ اکھنڈ بھارت کا نعرہ لگا کر پاکستان کی حدود کے اندر آباد رہ سکے۔ خارجی دشمن کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے لیکن داخلی دشمنوں کی ریشہ دوانیوں کی موجودگی میں یہ سمجھ لینا کہ ہم محفوظ ہیں، انتہائی بے وقوفی ہے۔ ملک میں امن داماں، خوش حالی، فلاح و بہبود، استحکام اور سربلندی کے لیے ہم حکومت کی بھرپور حمایت اور غیر مشروط تعاون کرتے رہیں گے۔"

(خطاب لاہور، روزنامہ "زمیندار" لاہور، ۲۱/ جولائی ۱۹۵۲ء، ص اوّل)

اسلام اور پاکستان کے غدار

حکومت کا فرض ہے کہ پاکستان کے دوست اور دشمن میں تمیز کرے جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وفادار نہیں وہ پاکستان کے کیسے وفادار ہو سکتے ہیں؟ مرزائیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس اور آپ کی تعلیمات کے مقابلہ میں غلام احمد قادیانی کی شخصیت اور اُس کی جھوٹی نبوت کا بت کھڑا کر رکھا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مرزائیوں کی یہ سیاسی حکمتِ عملی ہے۔ مذہب کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ اپنی سیاسی حکمتِ عملی سے اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ انگریز ہندوستان سے جاتے جاتے مسلمانوں پر اپنے ایک آلۂ کار گروہ کو مسلط کر گیا ہے۔ مدت سے آرزو ہے کہ مرزا بشیر الدین محمود سے آمنا سامنا ہو، مجھے امید ہے کہ وہ مجھے دیکھ کر ہی مسلمان ہو جائے گا لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ وہ سامنے آنے سے شرماتا ہے۔

آج پاکستان ایک ایسے خطرناک دور سے گزر رہا ہے کہ جس میں ایک غدار بھی بے حد مضر ثابت ہو سکتا ہے اور یہاں تو ظفر اللہ سے لے کر اللہ دتہ جالندھری تک سب کے سب دین، ملک اور ملت کے غدار ہیں۔ "فرقان بٹالین" کا شاخسانہ، مرزا بشیر الدین محمود کا اکھنڈ بھارت والا خواب ایسی واضح باتیں ہیں جو اِن کی غداری پر شاہدِ عدل ہیں۔

حکومت کا فرض ہے کہ وہ ملک کے اِن غداروں کو ایسی عبرت ناک سزا دے کہ ان کی آئندہ نسلیں بھی کان پکڑیں اور جان لیں کہ ملک کے غدار کا یہ انجام ہوا کرتا ہے۔ خواہ وہ غدار بناسپتی نبی ہو یا اُس کا جانشین...... مولانا گرامیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے:

الا اے قادیانی، طفلِ مردود
کہ خوانندت بشیر الدین محمود

(کراچی۔ ۲۸؍ جنوری ۱۹۵۳ء)

قادیانی: دُم بریدہ سگانِ برطانیہ

تم ناموسِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا تحفظ کرو، میں تمھارے کتے پالنے کو تیار ہوں۔ میں تمھارے سور چراؤں گا۔ میں کہتا ہوں مسلم لیگ نے پاکستان بنایا، ملک تقسیم کرایا۔ یہ انجمن احمدیہ نے نہیں بنایا۔ مرزا محمود اور سر ظفر اللہ کا پاکستان سے کیا تعلق؟ یہ دُم بریدہ سگانِ برطانیہ آج پاکستان میں دندنا رہے ہیں۔ ہم ان کی یہ غدارانہ سرگرمیاں ہرگز برداشت نہیں کریں گے اور پاکستان کو مرزائی سٹیٹ نہیں بننے دیں گے۔

(موچی دروازہ، لاہور۔ ۱۷ر فروری ۱۹۵۳ء)

پاکستان کے جسم کا سیاسی ناسور

''مسئلہ ختم نبوت جانِ ایمان اور روحِ قرآن ہے۔ اگر مسلمان عقیدۂ ختم نبوت سے بال برابر بھی اِدھر اُدھر ہو جائیں تو پھر نہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان باقی رہتا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ و تقدیس باقی رہتی ہے۔ جس پر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء علیہم السلام متفق ہیں۔

مرزائیت......اسی روح پر، جانِ قرآن اور جانِ اسلام پر مرتدانہ ضرب ہے۔ میں اس کے استیصال کو ہر مسلمان کے لیے فرض بلکہ افرض جانتا ہوں اور اپنی زندگی کی آخری بازی بھی اس پر لگا دوں گا۔ یہ پاکستان کے جسم کا سیاسی ناسور ہے۔ اگر اس کا آپریشن نہ کیا گیا تو یہ ناسور سارے جسم کو تباہ کر دے گا۔''

(روزنامہ ''آزاد'' ''احرار نمبر'' ۲۷ر ستمبر ۱۹۵۶ء)

پاکستان کا مستقبل

ایک وقت تھا، جب ہندوستان تقسیم ہو رہا تھا۔ ہم نے کہا کہ یوں تقسیم نہ کرو، اس سے مسلمان بھی تقسیم ہوں گے اور تین حصوں میں تقسیم ہوں گے۔ ہمیں نظریہ پر اختلاف نہیں نقشہ پر اختلاف ہے۔ جواباً کہا گیا کہ ہم تو یوں ہی تقسیم کریں گے۔ پھر ہمیں گالیاں دی گئیں اور غدار کہا گیا۔

ایک وقت آئے گا جب یہی لوگ پھر تقسیم کریں گے اور ملک توڑ کر ہی دم لیں گے۔ تب ہم کہیں گے ایسا نہ کرو، پاکستان بچالو۔ ہم نے بے پناہ قربانیاں دے کر پاکستان حاصل کیا ہے، اس کی قدر کرو۔ مگر یہ لوگ اپنا جرم تسلیم کرنے کی بجائے ہمیں پھر گالیاں دیں گے اور غدار کہیں گے۔ ہمیں پہلے بھی برا کہا اور اُس وقت بھی برا کہیں گے۔ یہ لوگ کسی قیمت پر ہمارے وجود اور ہمارے نقطۂ نظر کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔

مجھے پاکستان کا مستقبل خطرات میں گھرا ہوا نظر آ رہا ہے۔ ہم نے ہوا کا رخ جس طرف دیکھا تھا تم اس کے الٹ دیکھو گے۔ قادیانی اپنے اکھنڈ بھارت کے عقیدے کو عملی شکل دینا چاہتے ہیں۔ اگر ایسا ہوا تو یہ تاریخ کا بہت بڑا ظلم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ پاکستان کی حفاظت فرمائے۔

(ملتان، ستمبر ۱۹۵۸ء، مجلسی گفتگو، روایت: پروفیسر سید محمد وکیل شاہ)

''ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں''

یہ کیا فتنہ برپا ہو رہا ہے؟ موسیقی نصابِ تعلیم میں شامل کی جا رہی ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ ''موسیقی روح کی گرد کو دھو ڈالتی ہے۔'' مجھے ڈر ہے کہ موسیقی گرد کے علاوہ پوری روح کو ہی نہ دھو ڈالے۔ شہزادے تب بگڑتے ہیں جب وہ علماء سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ سچ کہا اقبال نے:

ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

یہ کیسا نظامِ تعلیم ہے جو بے چینی کے سوا کچھ نہیں دے سکتا۔ جو دخترانِ ملت کو نچوانے پر تلا ہوا ہے۔ علم کم اور تحریص زیادہ ہے۔ پبلسٹی پر زور ہے قلندری نے خواجگی کی قبا اوڑھ لی ہے۔

اسلام اپنی ایک نئی دنیا پیدا کرتا ہے اور اپنی علیحدہ پہچان رکھتا ہے۔ اسلامی معاشرے میں آدمی کا سماجی رتبہ رنگ، نسل، دولت وغیرہ سے نہیں اعمال سے متعین ہوتا ہے۔

(روایت: ظفر اقبال سلیم، مضمون: سید ضمیر جعفری)

(''امیر شریعت کا ایک خط''، اردو ڈائجسٹ، دسمبر ۱۹۸۳ء، شمارہ ۱۲، جلد ۲۳)

''ہمیں دنیاوی اقتدار کی کوئی آرزو نہیں۔ اللہ کے حضور سرخرو حاضر ہونا چاہتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ پاکستان کو اندرونی و بیرونی سازشوں سے محفوظ رکھے۔''

مجلس احرار اسلام سے پابندی اٹھنے کے بعد پرچم کشائی
کے موقع پر جلسۂ عام سے خطاب۔ ملتان، ۵؍ستمبر ۱۹۵۸ء
(ہفت روزہ ''چٹان'' لاہور، ۶؍اکتوبر ۱۹۵۸ء)

نتیجہ سامنے ہے!

حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِذا وُسِّدَ الاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَھْلِہٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَۃَ

''جب حکومت نااہل لوگوں کے سپرد ہو تو قیامت کا انتظار کرو۔'' (بخاری)

پاکستان میں تم اسلام کا سیاسی نظام تو رائج نہ کر سکے اور غیروں کا جو نظام تم نے اپنایا ہے اس کے ساتھ بھی انصاف نہ کیا۔ اس کی خوبیاں چھوڑ دیں اور برائیوں کو شعار کر لیا نتیجہ سب کے سامنے ہے۔

(ملتان ۱۹۵۸ء)

وارث شاہ کا پاکستان

زندگی کے آخری ایام میں مختلف الخیال لوگ جن میں اعلیٰ سرکاری عہدیدار، وزراء، سیاسی زعماء اور صحافی بھی شامل ہوتے؛ شاہ جیؒ کے پاس آکر ملک کے حالات کا رونا روتے اور ان کی رائے پوچھتے تو وہ فرماتے: ''وارث شاہ نے بھی ایک پاکستان بنایا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ دیوار پر آویزاں ایک فریم کی طرف متوجہ کرتے اور اس میں لکھے ہوئے وارث شاہ کے درج ذیل اشعار پڑھنے کے لیے کہتے:

۱۔ بھکھا کھنڈ تے کھیر دا ہویا راکھا، رنڈا گھلیا ساک کراونے نوں
۲۔ اونہاں زہر دے واسطے سد آندا، سگوں آیا سی زہر ودھاونے نوں
۳۔ ہتھیں اپنی زہر سہیڑیونے، جھگا چوڑ چپٹ کراونے نوں
۴۔ سرہوں ڈھک مکوڑیاں کول رکھی، دانے ککڑاں پاس سکاونے نوں
۵۔ گدڑ ککڑیاں دا جمعدار ہویا، اُٹھ چلیا باغ لگاونے نوں
۶۔ بیڑی کاغذ دی باندر ملاح بنیا، انہا گھلیا پور لنگھاونے نوں
۷۔ راکھا مال دا دھاڑوی رکھیونے، چور سدیا کھوج لگاونے نوں
۸۔ راکھا جواں دے ڈھیر دا گدھا ہویا، انہا گھلیا حرف لکھاونے نوں
(۹) ویکھو عقل شعور جو ماریا نے، طعمہ باز دے ہتھ پھڑاونے نوں

(ملتان: ۱۹۶۰ء)

(روایت: ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ)

ترجمہ:

(۱) بھوکے آدمی کو چینی اور کھیر کی رکھوالی دے دی اور جس کی اپنی بیوی فوت ہو چکی تھی اس کو رشتہ ناتا کرنے کے لیے بھیجا گیا۔

(۲) جسے زہر کے علاج کے لیے لائے تھے وہ خود زہر ثابت ہوا،

(۳) اپنے گھر کی بربادی کے لیے گویا یہ کام انھوں نے اپنے ہاتھ سے کیا۔

(۴) کیڑے مکوڑوں کے پاس سرسوں کا ڈھیر رکھ دیا اور مرغیوں کے سامنے دانے خشک کرنے کے لیے ڈال دیے۔

(۵) گیدڑ کو خربوزوں پر نگہبان کر دیا اور اونٹ کو کہا کہ تو باغ لگانے جا۔

(۶) کاغذ کی بیڑی بنا کر بندر کو ملاح بنا دیا اور اندھے سے کہا کہ تم جاؤ اسے کنارے پر چھوڑ آؤ۔

(۷) خزانے کی نگہداری کے لیے چور کو مقرر کیا اور چور ہی سے کہا کہ تم چور کو تلاش کرو۔

(۸) دھان کے ڈھیر پر گدھے کو رکھوالا کر دیا اور نابینے کو خط لکھوانے بھیجا۔

(۹) یہ عقل و شعور کا زوال ہے کہ گوشت کا جو ٹکڑا باز کو دکھا کر شکار کرتا ہے وہی باز کو دے دیا ہے۔

علامہ انور صابری مرحوم

پاکستان میں کیا کیا ہوگا؟

علامہ انور صابری مرحوم برصغیر کے معروف شاعر اور مجلس احرار اسلام کے رہنما تھے۔ان کی سیاسی نظموں نے تحریک آزادی کو زبردست تقویت پہنچائی اور آزادی کے کارکنوں کا حوصلہ بڑھایا۔وہ مجلس احرار کے جلسوں کی جان تھے۔

ذیل کی نظم انھوں نے ۱۹۴۶ء کے انتخابات کے موقع پر کہی اور ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوکر تقسیم ہوئی۔تب تحریک پاکستان اپنے عروج پر تھی۔۶۲ برس قبل انھوں نے اس نظم میں جن خدشات کا اظہار کیا،وہ آج حقائق کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں......

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

چار طرف میخانے ہوں گے گردش میں پیمانے ہوں گے
رندوں کی شمشیر کے نیچے مذہب کے دیوانے ہوں گے
ختم نئے ماحول کے اندر واعظ کے افسانے ہوں گے
پاکستان میں کیا کیا ہوگا!

دور نہ ہوگی فاقہ مستی یونہی رہے گی فقر کی پستی
مٹ نہ سکی ہے مٹ نہ سکے گی دولت کی انسان شکستی
پاکستان کے اندر ہوگی دولت مہنگی غربت سستی
پاکستان میں کیا کیا ہوگا!

تا بہ حد معراج کریں گے جشن تخت و تاج کریں گے
مذہب ہی کی اوڑھ کے چادر مذہب کو تاراج کریں گے
ابن علی کے دشمن بن کر شمر کے بیٹے راج کریں گے
پاکستان میں کیا کیا ہوگا!

غیروں سے یارانے ہوں گے اپنے سب بیگانے ہوں گے
شمع بنے گا خونِ غریباں روشن عشرت خانے ہوں گے
پر جا کے غمگین دلوں پر راجہ خنجر تانے ہوں گے
پاکستان میں کیا کیا ہوگا!

زخم سے خالی ہر دل ہوگا حاکم جور پہ مائل ہوگا
ڈوبے گی ایمان کی کشتی غرقِ طوفاں ساحل ہوگا
بھیس میں انساں کے خود انساں انسانوں کا قاتل ہوگا
پاکستان میں کیا کیا ہوگا!

زرداروں کی عزت ہوگی ہر مفلس کی درگت ہوگی
رسوا ہو گا نامِ محبت اوج پہ جنسِ نفرت ہوگی
پیکرِ عصمت ، زینتِ خانہ بازاروں کی زینت ہوگی
سر سے پا تک دھوکا ہوگا
پاکستان میں کیا کیا ہوگا!

بقائے احرار

خواہ ساری دنیا مجھے چھوڑ جائے مگر میں مجلس احرار اسلام کا علم بلند رکھوں گا۔ میں شہر چھوڑ کر جنگل میں چلا جاؤں گا اور وہاں ایک کٹیا بنا کر اس پر سرخ پرچم لہرا کر سب کو دعوت دوں گا کہ......

یہ ہے مجلس احرار کا دفتر۔ جس کو آنا ہو یہاں میرے پاس آجائے۔ بقاء احرار مجھے اپنی جان سے بھی عزیز ہے۔ خواہ کچھ بھی ہو جائے یہ سرخ ہلالی پرچم لہراتا رہے گا۔

جو عُدوِ باغ ہو برباد ہو
چاہے وہ گُل چیں ہو یا صیاد ہو

امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

خطاب بہ شرکاءِ مجلس مشاورت

۱۹۳۶ء - اچھرہ لاہور